بصیرت

265

کوثر نیازی

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور ○ راولپنڈی ○ پشاور ○ کراچی

دوسری بار جنوری 1973ء

تعداد 1000

قیمت 9.50

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر پبلشرز

Marfat.com

مُندرجات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	پیغمبروں کی وصیّت	11	13	فلسفۂ دُعا	35
	تلاوتِ قرآن کا حق	13	14	انفاق فی سبیل اللہ	37
3	سمتیں مُقدّس نہیں	15	15	رسموں کی زنجیر	39
4	دِلوں پر مُہر کب لگتی ہے	17	16	ایک جامع دُعا	41
5	قرآن کا پیغام	19	17	حکمرانی کا حق	43
6	عِلم کی فضیلت	21	18	خیر و شر	45
7	صبر اور نماز	23	19	دین میں جبر نہیں	47
8	شہید زندہ ہیں	25	20	شیطانی وسوسہ	49
9	روزے کا فلسفہ	27	21	احسان نہ جتاؤ	51
10	روزے کے احکام	29	22	علم و حکمت	53
11	روزہ سے مقصود آسانی ہے نہ کہ سختی	31	23	وارثوں کا مال	55
12	صبر و شُکر	33	24	نیکی کا مرتبۂ کمال	57

Marfat.com

25	پہلا دہ گھر خدا کا	59
26	فاضل سرمایہ	63
27	تقویٰ کا تقاضا	65
28	اسلامی اتحاد	67
29	بہوُدِ بے بہبوُد	69
30	غلطی کے بعد	71
31	اہلِ ایمان کی صفات	73
32	مطالعۂ آثار	75
33	صورت یا حقیقت	77
34	مقامِ رسالت	79
35	موت کو نہ بھولو	81
36	سائنسی علوم	83
37	تین ہدایات	85
38	یتیموں کے حقوق	87
39	اخلاقی روگ	89
40	لمحۂ ندامت	91
41	حسد کی قسمیں	93
42	بمصطفیٰ برساں	95
43	بہترین صحبت	97
44	شہری دفاع	99
45	تدبّرِ قرآن	101
46	اچھی اور بُری سفارش	103
47	سلام کے آداب	105
48	قتلِ مومن	107
49	سرگوشیاں نہ کرو	109
50	سچّی شہادت	111
51	عیب جوئی	113
52	ثمنِ قلیل	115
53	اسلام کا فلسفۂ اخلاق	117
54	عہد کی پابندی	119
55	تعاون کی بنیاد	121
56	کامل ضابطۂ حیات	123
57	میثاقِ ازل	125
58	ناانصافی نہ کرو	127
59	ایمان اور عمل	129
60	احسانِ عظیم	131
61	انسانیّت کا قتل	
62	عدل وانصاف	

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
63	جاہ و مال کی محبّت	137
64	اہلِ ایمان ہی غالب ہوں گے	139
65	اذان	141
66	فتنہ و فساد	143
67	توبہ	145
68	فرد اور معاشرہ	147
69	یہود اور ہنود	149
7	قرآن کا انقلاب انگیز اثر	151
	لذائذِ دُنیا اور اسلام	153
	قسموں کے احکام	155
	شراب اور جُوا	157
	فضول سوالات	159
	مُبلّغ یا خدائی فوجدار	161
	مرنے کے بعد	163
	مچھلی اور کانٹا	165
	خدا کا تصوّر	167
	عقیدۂ آخرت	169
	...ں کو بھی گالی نہ دو	171
	...ٹ اور پبلک لے لُطف	173

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
82	اضطرار کی حالت میں	175
83	رضا اور مشیّت	177
84	عفو و رحمت	179
85	توحید و رسالت	181
86	نیابتِ خداوندی	183
87	دُعا کے آداب	185
88	اتّحاد بین المسلمین	187
89	مُسلمانوں کا باہمی تعلق	189
90	قرآنِ حکیم کی خصوصیات	191
91	فرعون کی لاش	193
92	روزی کا مسئلہ	195
93	ناپ تول میں کمی	197
94	مستقبل کی سواریاں	199
95	قیامت کا زلزلہ	201
96	قلب کا عمل	203
97	کبر و غرور	205
98	گفتار و رفتار	207
99	راست گوئی	209
100	منکرینِ قرآن کی ذہنیّت	211

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
101	خوف اور اُمّید کے درمیان	213
102	ہر چیز کا جوڑا ہے	215
103	فلسفۂ عبادت	217
104	پُرامن بقائے باہمی	219
105	از عرش نازک تر	221
106	گالی گلوچ	223
107	اسلامی معاشرت	225
108	دُنیا کی زندگی	227
109	عادلانہ معاشی نظام	229
110	اطاعتِ رسُولؐ	233
111	تسخیرِ کائنات	235
112	قرآن اور پاکستان	237

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

۱۹۶۷ء کی بات ہے پاکستان ٹیلی ویژن سروس لاہور نے مجھ سے مشعلِ راہ کے زیرِ عنوان منتخب آیاتِ پاک کا درس دینے کی فرمائش کی۔ اِس پروگرام کا کُل وقت پانچ منٹ تھا۔ ایک منٹ کی تلاوت، آدھے منٹ کا ترجمہ اور ساڑھے تین منٹ کی تفسیر۔ بعد میں اس عنوان کا نام "بصیرت" رکھ دیا گیا اور یہ اب بھی روزانہ باقاعدگی سے ٹیلی کاسٹ ہو رہا ہے جس میں کبھی کبھی مجھے بھی شامل ہونے کا موقع ملتا رہتا ہے۔

"دریا کو کوزے میں بند کرنے" کا محاورہ ہم نے سُن رکھا تھا۔ مگر اس کا عملی مشاہدہ اس وقت ہُوا جب ساڑھے تین منٹ میں مختصر اور جامع بات کہنے کی اس منزل سے گزرنا پڑا۔ اس پر مستزاد یہ کہ خیال یہ بھی دامنگیر تھا کہ جو بات کہی جائے وُہ اِسلام کے تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ قرآنی تعلیمات کے وُہ حصّے سامنے لائے جائیں جو براہِ راست ہماری عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، گفتگو میں اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ اسلوبِ بیان اور اندازِ استدلال نئی تعلیم یافتہ نسل کی ذہنی سطح کے مطابق ہو اور علومِ جدیدہ نے ذہنوں میں جو شکوک و شبہات پیدا کر دیے ہیں ان کا بھی ساتھ ساتھ ازالہ ہوتا چلا جائے۔

مَیں یہ دعوےٰ نہیں کرتا کہ اس کوشش میں مجھے پُوری طرح کامیابی حاصل

Marfat.com

ہُوئی لیکن اِتنا ضرور ہے کہ ملک کے طُول و عرض میں قرآنِ حکیم کے اس حقیر اور ادنیٰ طالب علم کی اِس پیش کش کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ عوام نے اپنے خطوں کے ذریعے سے نیک جذبات کا اظہار کیا اور بعض بزرگ اہلِ علم نے بھی اِس سلسلے کی حوصلہ افزائی کی۔

مَیں لکھنے لکھانے کے معاملے میں سخت تساہل پسند واقع ہُوا ہُوں۔ "مشعلِ راہ" اور "بصیرت" کو مَیں نے کبھی قلم بند نہیں کیا۔ اس کا انداز ہمیشہ مسودہ کے بغیر ایک گفتگو کا رہا ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ ساری محنت ٹیلی ویژن کی لہروں تک محدود نہ رہے مگر مجھے اپنے ذہین بیٹے فارُوق کا شکر گزار ہونا چاہیئے جس نے اکثر و بیشتر اِن مختصر تقریروں کو ٹیلی ویژن دیکھتے ہُوئے ساتھ ساتھ نوٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ گو اس طرح تقریباً آدھا ذخیرہ وُہ بھی محفُوظ نہیں کر سکا۔ مگر غنیمت ہے کہ ۶۷ء سے لے کر ۶۹ء تک کے اس پروگرام کا تقریباً نصف تفسیری حصّہ اس طرح قرطاس و قلم کی بھی امانت بن گیا۔ چنانچہ لاہور کا ایک اردو روزنامہ اس کے کُچھ حِصّے اپنے مستقل کالم کی حیثیت سے شائع بھی کر چکا ہے۔

عرصہ سے احباب کا تقاضا تھا کہ اس سلسلے کو کتابی صُورت میں بھی شائع ہونا چاہیے۔ میرا خیال تھا کہ اس درس کی جن آیات کی تفسیر نہیں لکھی جا سکی وُہ بھی قلم بند کر لی جائے تب یہ کتاب شائع ہو مگر موجُود تحریروں کی ضخامت ہی اِتنی کافی ہو گئی کہ یہ ارادہ ترک کر دینا پڑا۔ انشاء اللہ قرآنِ حکیم کی ان باقی ماندہ منتخب آیات کی تفسیر بھی ـــــــ جو ہماری روزمرّہ کی زندگی سے گہرا تعلق رکھتی ہیں ـــــــ اسی ضخامت کے دو اور حِصّوں کی صُورت میں عنقریب پیش کر دی جائے گی۔

ٹیلی ویژن پر درسِ قرآن کا یہ پروگرام پیش کرنے کے لیے مَیں اُردُو

Marfat.com

اور عربی کی کم و بیش بیس تفسیروں سے مدد لیتا رہا ہوں ان میں تفسیرِ کبیر سے لے کر تفسیرِ مظہری تک اور تفسیرِ حقانی سے لے کر بیان القرآن تک تمام تفسیریں شامل ہیں۔ مگر جو فیض مجھے حضرتِ مولانا عبدالماجد دریا بادی مدظلہٗ کی تفسیری کاوشوں سے حاصل ہُوا ہے وہ جدید عصری تقاضوں کے پیشِ نظر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں اگر کوئی خوبی ہے تو اس کا سہرا انہی بزرگ مفسرین کرام کے سر ہے اور اگر کوئی خامی ہے تو اس کا ذمہ دار مَیں ہوں۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وُہ خدمتِ قرآن کی اس کوشش کو مفید پائیں تو "بصیرت" کے خطاکار و سیاہ کار مؤلف کے حق میں بھی دُعائے خیر فرمائیں۔

کوثر نیازی

لاہور۔ ۲۳ مارچ ۷۰ء

Marfat.com

DATA ENTERED

ک ۸ ب

۱۸۸۷۱

دوسری بار جنوری 1973ء

تعداد 1000

قیمت 9.50

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر پبلشرز

Marfat.com

پیغمبروں کی وصیّت

وَ وَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ
یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؀

"اور ابراہیمؑ اسی کی وصیّت کر گئے اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوبؑ بھی کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے دین کا انتخاب فرمالیا ہے سو ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے وقت بغیر مُسلم کے کچھ اور ہو۔"

پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۱۶ آیت نمبر ۱۳۲

قرآنِ حکیم کی یہ آیت اپنے مفہوم اور پیغام کے اعتبار سے بڑی جامع آیت ہے اس میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیائے کرام تشریف لائے ہیں۔ ان سب کی دعوت اسلام کے سوا اور کچھ نہ تھی حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہوں یا حضرت یعقوبؑ، حضرت مُوسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت مسیحؑ۔ ان سب کا دین ایک تھا۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وُہ ان سب پر ایمان لائے۔ ان کے احترام کو اپنے دل میں جگہ دے اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نبی یا رسول کا انکار کیا تو گویا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سب کا انکار کر دیا۔

اس آیت میں دُوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی

Marfat.com

اپنے متعلقین کو آخری وصیّت یہ تھی کہ۔ دیکھنا جب تمھیں موت آئے تو اسلام یعنی اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی حالت میں آئے۔ مقصود یہ ہے کہ چونکہ موت کا کوئی وقت معیّن نہیں نہ جانے کب آجائے۔ اس لیے زندگی کا ایک ایک لمحہ آئینِ خداوندی کے مُطابق گزارو، تاکہ جب بھی موت آئے تمھیں خدا کا مطیع اور فرمانبردار پائے۔

ماہرینِ اعداد و شمار کا کہنا ہے کہ دُنیا میں ہر منٹ کے اندر ایک سو آدمی مر جاتے ہیں اور دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں پُورے ڈیڑھ لاکھ ——
کون جانتا ہے کہ کس کا نام کب ان ڈیڑھ لاکھ کی فہرست میں شامل ہو جائے۔ اس لیے دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مُہلتِ عُمر کو غنیمت جانیں اور اسے اطاعتِ الٰہی میں بسر کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

تلاوتِ قرآن کا حق

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ط

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے ۔ وہ اُسے اسی طرح پڑھتے
ہیں جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے۔"

پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۱۲۱ کا ٹکڑا

اس آیتِ پاک میں بعض اہلِ کتاب کی تعریف کی گئی ہے جو اپنی آسمانی کتاب توریت کی تلاوت کرتے تھے اور ایسی تلاوت کرتے تھے جیسی کرنے کا حق ہے۔ اس سے تعریف ان اہلِ ایمان کی بھی نکل آئی جو اس آخری اور مکمل آسمانی کتاب کا حقِ تلاوت ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآنِ حکیم کی تلاوت ہمارے دین میں اعلیٰ درجہ کی عبادت شمار ہوتی ہے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ تلاوت کے وقت ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ ایک اور ارشاد میں آپؐ نے تلاوتِ قرآن کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی قرار دیا ہے۔ فرمایا جتنی دیر بندہ تلاوت میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جانب متوجہ رہتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے یہ فضائل درجۂ کمال میں اسی شخص کو ملتے ہیں جو صحیح معنوں میں تلاوتِ کلامِ پاک کا حق ادا کرتا ہے۔

قرآنِ پاک کا حقِ تلاوت کیا ہے؟ اس سوال کا جامع جواب دیا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ حق تین حصّوں میں تقسیم ہے۔ حقِ ظاہر، حقِ باطن اور حقِ عمل۔ حقِ ظاہر یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کو صحتِ لفظی کے ساتھ پڑھا جائے اور حرُوف کو ان کے صحیح

Marfat.com

مخارج سے نکالنے کا ملکہ بہم پہنچایا جائے۔ حقِ باطن یہ ہے کہ الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان کا مفہوم سمجھنے کی بھی کوشش کی جائے، یہ بھی معلوم رہے کہ جو کچھ پڑھ رہا ہُوں اس کا مطلب کیا ہے اور یہ کلامِ پاک مجھ سے تقاضا کس کس بات کا کرتا ہے اس مقصد کے لیے خود اس زبان کی تحصیل کر لی جائے جس میں قرآنِ حکیم نازل ہُوا ہے تو پھر تو کیا ہی کہنے ہیں لیکن اگر اس کی ہمّت نہ ہو تو اس سلسلے میں مُستند ترجموں اور تفسیروں کی مدد حاصل کر لینی چاہیئے اور کلامِ پاک کا تیسرا حقِ تلاوت یہ ہے کہ اُسے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اس پر عمل بھی کیا جائے کیونکہ اس کا مقصدِ نزُول تبھی پُورا ہوتا ہے جب انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسی سے روشنی حاصل کی جائے۔

ہماری شخصی و قومی نجات کا دار و مدار اسی بات پر ہے کہ ہم قرآنِ حکیم کی تلاوت کے یہ تینوں حقوق کہاں تک ادا کرتے ہیں۔

اقبال مرحوم نے بالکل صحیح کہا ہے :-

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
گر تو می خواہی مُسلماں زیستن
نیست ممکن جُز بقرآں زیستن

Marfat.com

سمتیں مقدس نہیں

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○

اور اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۱۱۵

رسولِ دو عالم۔ سرورِ کونین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد مسلمان کچھ وقت تک تو اپنے قبلۂ اولی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن آخر وُہ وقت آگیا جب مسلمانوں میں یکجہتی اور مرکزیّت قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خانۂ کعبہ کو ان کا قبلہ مقرر کیا۔ اس پر اہلِ کتاب نے طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ خانۂ کعبہ قبلہ کیسے بن سکتا ہے جبکہ یہ مشرق و مغرب کسی بھی مقدّس سمت وجہت میں واقع نہیں ہے۔

طلوعِ اسلام سے قبل انسانیّت جن طرح طرح کے اوہام وخرافات میں مبتلا تھی ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ لوگوں نے مختلف سمتوں (DIRECTIONS) کو مقدس قرار دے رکھا تھا، آفتاب پرستی کے عقیدہ کے تحت آہستہ آہستہ یہ بات عام ہوگئی کہ چونکہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دونوں جہتیں بھی تقدّس کی حامل ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اپنے اس ارشاد میں اسی جاہلانہ عقیدے کی تردید کی ہے۔ فرمایا: لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ مشرق ہو یا مغرب۔ اللہ ہی

Marfat.com

کے لیے ہیں۔ عربی قاعدے کی رُو سے لِلّٰہِ کی ل اختصاص کی لام ہے۔ یعنی یہ اسی کے لیے خاص ہیں اسی کی ملکیت اور اسی کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی وسعت والا ہے کہ اس میں تو مشرق و مغرب سب کی سمائی ہو جاتی ہے۔ لیکن وُہ خود کہیں نہیں سماتا۔ وہ جسم سے پاک ہے اس لیے ایک دو اطراف کو اس کے لیے مخصوص سمجھنا جہالت اور شرک کی بات ہے۔ فرمایا: فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ جدھر بھی مُنہ پھیرو گے اسی کی ذات جلوہ گر نظر آئے گی۔ پھر فرمایا: واسع ہونے کے ساتھ ساتھ وُہ علیم بھی ہے۔ وُہی بہتر جانتا ہے کہ قبلہ کون سا ہو۔ اس کے ہر کام میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے اس لیے تمھارا کام یہ نہیں کہ تم اس پر اعتراض کرو تمھارا فرض یہ ہے کہ تم اس کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دو۔

Marfat.com

دِلوں پر مُہر کب لگتی ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ○ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَعَلٰٓی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ○

بے شک جو لوگ کفر اختیار کیے ہُوئے ہیں ان کے حق میں یکساں ہے خواہ آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وُہ ایمان نہ لائیں گے، مُہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دِلوں پر اور ان کی سماعت پر۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا ہی عذاب ہے۔

پارہ نمبر ۱ رکوع نمبر ۱ آیت نمبر ۷

یہ آیت قرآن حکیم کی ایک مشہور آیت ہے اور تدبّر و تفکّر نہ کرنے کی وجہ سے لوگوں کو اکثر اس کے سمجھنے میں دِقّت پیش آتی ہے۔ گفتگو اصلاً یہود کے بارے میں ہو رہی ہے۔ یہ ظالم جانتے بُوجھتے حقائق سے اعراض کرتے تھے۔ انھیں وُہ نشانیاں خُوب معلوم تھیں جو نبیِ آخر الزماں کے بارے میں توریت نے بیان کی ہیں مگر اس کے باوجُود یہ ان علامتوں اور دلائل پر غور کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہی ہے کہ جو لوگ اپنی عقل و بصیرت کو کام میں نہیں لاتے وُہ آہستہ آہستہ ان کے دِلوں پر قُفل چڑھا دیتا ہے۔ وُہ کان رکھتے ہیں مگر نہیں سُنتے اور آنکھیں رکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے۔

Marfat.com

اس ارشادِ ربّانی میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اے رسُول! آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ نہیں چاہتا کہ یہ ایمان لائیں۔ ایک ہے اللہ تعالیٰ کا علم، ایک ہے اس کی مرضی، ان دونوں میں بُہت بڑا فرق ہے۔ اس کی مثال یُوں ہے جیسے ایک طبیب تپِ دق کے تیسرے درجے میں پہنچے ہُوئے ایک مریض کے بارے میں یہ اطلاع دے کہ یہ جاں بر نہیں ہو سکے گا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ طبیب کی خواہش بھی یہی ہے کہ یہ مریض صحت یاب نہ ہو۔ اس نے تو اپنے علم کی بنا پر ہمیں اطلاع دی ہے اس میں اس کی مرضی یا خواہش کا کوئی دخل نہیں۔

آیت سے سبق یہ ملا کہ اللہ تعالےٰ کی دی ہُوئی عقل وبصیرت کو ہمیشہ کام میں لانا چاہیے۔ افہام وتفہیم کے معاملے میں دل کے دروازے بند نہیں کر لینے چاہئیں ورنہ خطرہ ہے کہ کہیں آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ حق کو قبول کرنے کی صلاحیّت اور استعداد ہی چھین لے۔

Marfat.com

قرآن کا پیغام

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ
وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے انسانو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی جس نے تمھیں پیدا کیا اور تم سے قبل والوں کو بھی۔ عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۳ آیت نمبر ۲۱

قرآنِ حکیم کی اس مختصر سی آیت میں ہمارے لیے غور و فکر کے کئی نشانات پوشیدہ ہیں۔ سب سے پہلے اس ارشادِ ربّانی کے اندازِ تخاطب پر توجہ دیجیے۔ قرآن نے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ۔ اے انسانو کہہ کر خطاب کیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اے اہلِ عرب، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا پیغام بنی نوعِ انسان کے لیے ہے۔ اس میں عربی اور عجمی اور شرقی اور غربی کا کوئی امتیاز نہیں۔ یہ صرف ان لوگوں کے نام نہیں جو نزولِ قرآن کے وقت اس کے مخاطب تھے بلکہ یہ ان لوگوں کے بھی نام ہے جو ان کے بعد دنیا میں آئے اور ابھی قیامت تک دنیا میں آتے رہیں گے۔

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ قرآن نے اپنی دعوت کی بنیاد توحید کو قرار دیا ہے فرمایا اے انسانو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، گویا توحید وہ اصل الاصول ہے جس پر پوری زندگی کی عمارت تعمیر ہونی چاہیے۔ اگر یہی بنیاد کا پتھر ہی غلط ہے تو پھر تا ثریا می رود دیوار کج۔ یہی وجہ ہے کہ نبیِ آخر الزمان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تک جتنے انبیاء دنیا میں تشریف لائے ہیں انھوں نے سب سے پہلے عقیدۂ توحید پر

Marfat.com

ایمان لانے کی دعوت دی ہے اور قرآنِ حکیم نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اور سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک کا گناہ ناقابلِ معافی ہے کیونکہ اس سے زندگی کی اساس ہی ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

تیسرا قابلِ لحاظ پہلو یہ ہے کہ یہی نہیں فرمایا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ اسے مان لو بلکہ ارشاد یہ ہُوا کہ اس کی عبادت کرو گویا پروردگارِ عالم کو محض مان لینا ہی کافی نہیں اس کی عبادت کرنا بھی ضروری ہے اور عبادت محض پُوجا پاٹ یا پرستش کی چند رسموں کا نام نہیں۔ یہ ایک مخصوص طرزِ زندگی کا نام ہے یعنی اپنی پُوری زندگی کو ہدایاتِ خداوندی کے مطابق استوار کرو۔ محض مسجد ہی میں اس کے بندے نہ بنو مسجد سے باہر بھی اس کی بندگی بجا لاؤ۔ گھر میں بھی اس کے اطاعت شعار رہو اور بازار میں بھی اپنی من مانی کرنے کے بجائے اسی کی رضا کو سامنے رکھو۔ انفرادی معاملات میں بھی اسی سے راہنمائی حاصل کرو اور اجتماعی مسائل میں بھی اسی کی تعلیمات پر عمل کرو۔ یہ ہے بنی نوعِ انسان کے نام قرآن کا پیغام، توحید کا پیغام، عبادت کا پیغام، وہ پیغام جو دونوں جہانوں میں ہماری فلاح اور سربلندی کا ضامن ہے۔

Marfat.com

عِلم کی فضیلت

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○

اور اللہ نے آدم کو نام سکھا دیے کل کے کل پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو۔

پارہ نمبر ۱ رکوع نمبر ۴ آیت نمبر ۳۱

سیاق و سباق اس آیتِ پاک کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور انھیں اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا تو فرشتوں کو اس پر حیرت ہُوئی، ان کی سمجھ میں نہ آسکا کہ ان کے ہوتے ہُوئے کسی اور مخلوق کی ضرورت کیا ہے۔ اس حیرت کو دُور کرنے اور فرشتوں پر انسان کی فضیلت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہ علمی مقابلہ منعقد کرایا جس کا ذکر آج کی آیت میں ہو رہا ہے۔

فرمایا: ہم نے جملہ اشیاء کے نام، ان تمام چیزوں کے نام جو خلافتِ ارض کے دوران انسان کے زیرِ نگین آنے والی تھیں آدم کو سکھا دیے اور فرشتوں سے کہا کہ اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ تم انسان پر فضیلت رکھتے ہو تو ذرا ان چیزوں کے نام تو بتا دو۔ اس پر فرشتوں نے اپنے عجز کا اظہار کیا اور اس طرح حضرتِ انسان کی فضیلت آشکارا ہو کر سامنے آ گئی۔

اس سے معلوم ہُوا کہ اسلام کے نزدیک علم کا کیا مقام ہے۔ اس کے نزدیک یہی وُہ شرف ہے جس کی بنا پر آدمِ خاکی کو فرشتوں کی نُوری مخلوق پر فضیلت حاصل ہُوئی۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ خود معلّمِ انسانیّت حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی علم کو بڑی اہمیّت عطا فرمائی ہے۔ کائنات پر آپ کا یہ احسانِ عظیم کون بھلا سکتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت پہلی وحی اقرأ کی تھی یعنی پڑھ۔ پھر آپ کی علم دوستی کا عالم یہ تھا کہ علمِ مجسّم ہو کر بھی رب زدنی علماً کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جتنا چرچا تالیف و تصنیف اور قرطاس و قلم کا مسلمانوں میں رہا ہے کسی اور قوم میں نہیں رہا۔ یورپ کا علم تو گزشتہ ڈیڑھ دو صدی کی پیداوار ہے۔ حضورؐ کے بعد سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک جتنی کتابیں عربی زبان میں لکھی گئی ہیں وہ دوسری تمام زبانوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہیں۔ جب اندلس مسلمانوں کی عملداری میں تھا تو تنہا اس کے سرکاری کتب خانے کی فہرستِ کتب چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔

سبق آیت سے یہ ملا کہ انسان کی فضیلت کا اصل راز علم ہی میں پوشیدہ ہے۔ یہی وہ وصف ہے جو اسے فرشتوں سے اونچا کر دیتا ہے۔ پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ تحصیلِ علم کے لیے ہمہ تن وقف ہو جائیں۔

Marfat.com

صبر اور نماز

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور یہ بے شک گراں ہے مگر خشوع رکھنے والوں پر گراں نہیں جنھیں اس بات کا بھی خیال رہتا ہے کہ انھیں اپنے پروردگار سے ملنا ہے اور اس بات کا بھی کہ انھیں اسی کی طرف واپس ہونا ہے۔ پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۴۶

ایمان کی راہ پر چلنا بچّوں کا کھیل نہیں۔ اس میں دو چار نہیں کتنے ہی سخت مقام آتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا اعلان کرنا گویا کتنی ہی پابندیوں کو قبول کرنا اور کتنی ہی مشکلات کو دعوت دینا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کے الفاظ میں :

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مُسلماں ہونا

اقبالؔ مرحوم نے اسی بات کو یُوں ادا کیا ہے :

چوں می گویم مُسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا اِلٰہ را

قرآنِ حکیم نے فرمایا کہ اس صُورتِ حال میں جبکہ قدم قدم پر تمھیں سہارے کی ضرورت پڑے گی تمھیں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنی چاہیے کیونکہ یہی وہ ڈھال ہے

Marfat.com

جو تمھیں ہر آفت سے بچائے گی اور ہر آزمائش میں محفوظ رکھے گی۔ رہی یہ بات کہ صبر و صلاۃ کی خوبیاں اپنے اندر پیدا کیسے کی جاتی ہیں۔ فرمایا: اس کے لیے دو باتیں یاد رکھو۔ ایک تو یہ کہ تمھاری محنت رائیگاں نہیں جائے گی تمھیں اپنے ربّ سے اس پر انعام مل کر رہے گا۔ دُوسرے یہ کہ اگر تم یہ عادات پیدا نہیں کرو گے تو تمھیں یہ یاد رہنا چاہیے کہ ایک نہ ایک دن تمھیں اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے اور اس پر تمھارا مواخذہ ہوگا کہ تم نے زندگی کی جد و جہد میں صبر و صلاۃ کی عادت کیوں نہیں ڈالی۔

جدید نفسیات کا کہنا ہے کہ کسی عمل کے دو ہی محرک ہو سکتے ہیں یا ترغیب یا ترہیب۔ قرآنِ حکیم نے اپنے اس ارشاد میں اجرِ عظیم کی خوشخبری سُنا کر ترغیب بھی دلائی ہے اور مواخذے کا ذکر کر کے ڈرایا بھی ہے اور جس بات کے لیے ہماری نفسیات کے مطابق یہ اندازِ گفتگو اختیار کیا گیا ہے اس میں فائدہ خدا اور رسُول کا نہیں ہمارا اپنا فائدہ ہے کیا کوئی ہے جو ایسے رحیم و کریم آقا کی بے پایاں شانِ رحمت کی وسعتوں کا اندازہ لگا سکے؟

Marfat.com

شہید زندہ ہیں

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ
اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انھیں مُردہ نہ کہو، نہیں وُہ تو
زندہ ہیں البتہ تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۳ آیت نمبر ۱۵۴

جہاد اسلام میں سب سے بڑی عبادت ہے۔ یُوں تو اس کی کئی قسمیں ہیں۔ قلم سے جہاد، زبان سے جہاد، مال اور وقت سے جہاد، لیکن افضل ترین جہاد وہ ہے جس میں ایک مومن اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ کے حضور نذر کر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا احساس یہ ہوتا ہے کہ:-

جان دی، دی ہُوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

شہادت کا یہی وُہ مقامِ بلند ہے جس کی وجہ سے شہیدِ راہِ حق کو عام مرنے والوں کے مقابلے میں یہ امتیازی حیثیت دی گئی ہے کہ نہ تو انھیں کفن دیا جاتا ہے، وُہ انہی خُون آلود کپڑوں میں دفن ہوتے ہیں جن میں شہید ہُوئے تھے اور نہ انھیں غُسل دیا جاتا ہے، کیونکہ اب وہ اس منزل میں داخل ہو چکے جہاں وُہ خود مجسّم پاکیزگی ہیں۔ یہی نہیں قرآنِ حکیم اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ شہید ہو جانے والوں کو مُردہ نہ کہو کہ وُہ زندہ ہیں، البتہ اہلِ دنیا ان کی اِس زندگی کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔

Marfat.com

شہادت کے بعد کی یہ زندگی کیا ہے؟ قرآنِ حکیم نے اس کی تفصیلات بیان نہیں کیں البتہ اتنی بات واضح ہے کہ ان کی یہ زندگی ہماری دنیوی زندگی سے قوی تر ہے۔ قرآنِ حکیم ہی کے ارشاد کے مطابق شہداء کو اس زندگی میں باقاعدہ رزق ملتا ہے اور وُہ ایسے انعام واکرام سے نوازے جاتے ہیں کہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وُہ بار بار دُنیا میں جائیں اور بار بار خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوں۔

شہداء کی یہ زندگی تو وُہ ہے جسے ہم اس مادی دُنیا میں سمجھ نہیں سکتے لیکن ان کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دینِ حق کے لیے جان دینے کے بعد ان کا تعلق قوم کی حیاتِ اجتماعی سے کبھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔ ان کی یاد اور ان کی قربانی روشنی اور ہوا کی طرح فضا میں رچ بس جاتی ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت ان کے چھوڑے ہوئے نقوشِ قدم مٹا نہیں سکتی۔

شہادت کے اسی مرتبۂ بلند پر سیدنا حسینؓ فائز ہوئے تھے۔ ظاہری نگاہوں سے دیکھا جائے تو کامیاب یزید ہُوا مگر دل کی آنکھوں سے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ یزید مِٹ گیا مگر حسینؓ اور ان کے پاکباز ساتھی آج بھی زندہ ہیں۔ شاعر نے ٹھیک کہا:

نہ کوفیانِ امارت مقام باقی ہیں
نہ فوجیانِ سلاطینِ شام باقی ہیں
فقط حسین علیہ السلام باقی تھے
فقط حسین علیہ السلام باقی ہیں

Marfat.com

روزے کا فلسفہ

①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔

پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۸۳

صوم عربی زبان میں کسی چیز سے رُک جانے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے وہ گھوڑا جو گھاس کھانے یا چلنے پھرنے سے رُک جائے صائم کہلاتا ہے۔ اسی طرح دوپہر کو بھی صوم کہتے ہیں، اس تصوّر کے ساتھ کہ اس میں سُورج وسطِ آسمان میں رُک جاتا ہے۔ روزے کو بھی صوم اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں روزہ دار کھانے پینے اور بُرے کام کرنے سے رُک جاتا ہے۔

فرمایا: اے اہلِ ایمان! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے قبل ہو گزرے ہیں۔ یہ دعویٰ کہ روزے پہلی اُمتوں پر بھی فرض کیے گئے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اس زمانے میں کیا جب ذرائع رسل و رسائل نہ تھے، کتب خانے اور لائبریریاں نہ تھیں، یونیورسٹیاں اور کالج نہ تھے مگر اس دعوے کی سچّائی کا عالم یہ ہے کہ صدیوں بعد بڑے بڑے محققین کو اس کی تصدیق کرنی پڑی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ روزہ رکھنے کی رسم دنیا کے ہر مذہب اور ہر قوم میں موجود رہی ہے۔ [1]

---

[1]: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۹ ص ۱۰۶

Marfat.com

قرآن نے پہلے لوگوں کی طرح مسلمانوں پر روزہ فرض قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی بیان کرنا ضروری سمجھی کہ روزہ کو فرض ٹھہرانے سے پروردگار کا مقصود یہ ہے کہ مُسلمانوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ کیا چیز ہے اس کی بہترین تشریح ایک صحابیٔ رسُولؐ نے بیان کی ہے۔ ان سے کسی نے یہی سوال کیا تو انھوں نے پُوچھنے والے سے کہا کیا تم کسی ایسے تنگ راستے سے گزرے ہو جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں۔ کہا ہاں۔ فرمایا اس وقت کیا کرتے ہو۔ کہا اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیتا ہُوں تاکہ کانٹوں میں نہ اُلجھیں۔ فرمایا بس یہی تقویٰ ہے۔ غور کیا جائے تو یہ اس دنیا کی زندگی کے بارے میں ایک بہترین مثال ہے۔ ہماری زندگی کا راستہ دونوں طرف خواہشات کی خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہُوا ہے۔ اگر ہم پھُونک پھُونک کر قدم نہ رکھیں تو خطرہ ہے کہ کہیں ہمارا دامنِ حیات ان میں اُلجھ کر تار تار نہ ہو جائے۔ روزہ ہمیں پھُونک پھُونک کر قدم رکھنے کی تربیت دینا، ہمارے اندر ضبطِ نفس کی طاقت پیدا کرنا اور ہمیں ہر آن محاسبۂ آخرت کی یاد دلانا ہے۔

Marfat.com

روزے کے احکام

۲

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○

یہ روزے گنتی کے چند روز کے ہیں پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس پر دوسرے دنوں کا شمار رکھنا لازم ہے اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کر سکیں ان کے ذمّہ فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر تم علم رکھتے ہو تو بہتر تمھارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے رکھو۔

پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۸۴

اس آیت سے متصل پیچھے سے ذکر روزے کا چلا آرہا ہے پہلے روزہ کا فلسفہ بیان کیا کہ اس کا مقصد و غایت تقویٰ ہے۔ اس آیت میں تفصیل احکام کی بتائی جارہی ہے کہ بیماری، حالتِ سفر یا عدمِ استطاعت میں کیا کرنا چاہیے۔

فرمایا جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو اسے اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور بعد میں کسی وقت گنتی پوری کرلے۔ یہاں بیماری سے کیا مراد ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس کی تعریف نہیں کی البتہ اتنا واضح کیا کہ بیماری ایسی ہونی چاہیے جس میں روزہ رکھنے سے تکلیف بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو محض ناسازیِ طبع یا نزلہ زکام کی وجہ سے

Marfat.com

روزہ قضا نہیں کرنا چاہیے۔

یہی حکم سفر کا ہے اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سفر کی متعیّن حد کیا ہے بعض ائمہ کے نزدیک دن کے سفر میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن فقہ حنفی میں سفر کا اطلاق تین دن کے سفر پر کیا گیا ہے۔ اس سے کم سفر میں روزہ رکھ لینا چاہیے۔

آگے فرمایا کہ جو لوگ روزہ مشکل سے برداشت کرسکیں انھیں چاہیے کہ بطور فدیہ جو کچھ وُہ کھاتے ہیں ویسا ہی کھانا کسی غریب کو کھلا دیا کریں۔ آیت میں لفظ یطیقونہٗ کا استعمال ہُوا ہے اور عربی زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ایک لفظ ہے طاقت، ایک ہے وسعت، اگر یہ کہا جائے کہ فلاں کام اس کی وسعت ہی میں نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ خارج از امکان ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ فلاں کام اس کی طاقت میں ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ وُہ کرنے کو تو یہ کام کرے گا مگر اس کے لیے اسے مشقّت بہت اٹھانی پڑے گی۔ یطیقونہٗ کے اسی لطیف مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی یہ کہ بوڑھے مرد اور عورتیں یا حاملہ اور بچّوں کو دُودھ پلانے والی عورتیں اگر روزے کو برداشت نہ کرسکیں تو ان کے لیے اجازت ہے کہ وُہ اس کے بجائے کسی غریب آدمی کو کھانا کھلا دیا کریں۔

Marfat.com

روزے سے مقصود آسانی ہے کہ سختی

(۳)

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اللہ تمھارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمھارے حق میں دشواری نہیں چاہتا اور یہ چاہتا ہے کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو اس پر کہ تمھیں ہدایت دی عجب نہیں کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

(پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۸۵ کا آخری ٹکڑا)

روزے پچھلی اُمتوں پر بھی فرض ہُوئے اور ان اُمتوں کے صالحین نے اس مبارک عبادت کی برکتوں اور رحمتوں سے جھولیاں بھریں۔ لیکن یہ بات کہنا ان بزرگوں اور صالحین کے خلاف گستاخی نہیں کہلائے گی کہ خواہشات پر قابو پانے کے لیے روزہ رکھنے کے وُہ طریقے جو اسلام سے بھی پہلے اُمتوں کو سکھائے گئے۔ تربیت کی نسبتاً سخت کوششیں تھیں۔ ان میں بہت زیادہ پابندیاں پائی جاتی تھیں اور اس کا سبب یہ تھا کہ عالمِ انسانی اس وقت بچپن کے دور سے گزر رہا تھا اور بچپن میں عام طور پر کچھ زیادہ ہی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ ہم سے پہلے عبادات میں غلو کیا گیا کہ بعض عبادت گزاروں نے آسمان کی طرف بازو پھیلا دیے اور اپنے آپ پر اس حد تک جبر کیا کہ بازو کھڑے کھڑے سُوکھ گئے اور پرندوں نے اس پر گھونسلے بنا لیے۔ بعض نے سجدے کو اتنا طُول دیا کہ عمر بھر اسی حالت میں پڑے رہے۔ اسی طرح روزہ رکھنے پر آئے تو جسم سُوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ اسلام آدمِ خاکی کے شعور کی بلوغت

Marfat.com

کا اعلان ہے۔ مولانا محمد علی جوہر نے خوب کہا ہے کہ :

جب اپنی پوری جوانی پہ آ گئی دُنیا
تو زندگی کے لیے آخری نظام آیا

اسی بلوغت کا ایک تحفہ یہ بھی تھا کہ اسلام نے زندگی کے دُوسرے شعبوں کی طرح عبادات میں بھی عدل و توازن کا نظام قائم کیا اور اسلام کا روزہ اسی عدل و توازن کی ایک خوب صورت مثال ہے۔ قرآن نے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ روزوں سے اللہ تعالیٰ تمھیں اذیت اور تکلیف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ اس کی اتاری ہُوئی شریعت کی تو اساس ہی یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان کے لیے سہُولتیں پیدا کی جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضُور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے سحری کھانے کی تاکید فرمائی اور بغیر کھائے پیے روزہ سے منع کیا۔ بیماروں، مسافروں اور معذوروں کے لیے خاص رعایات دی گئیں اور پوری کوشش کی گئی کہ روزمرّہ کی سرگرمیوں میں روزے کی وجہ سے کوئی تعطّل پیدا نہ ہونے پائے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مَیں فلاں تعمیری کام اس لیے نہیں کرسکا کہ روزے سے تھا۔ فرمایا کہ ایسے دین کے عطا ہونے پر لازم ہے کہ تم اپنے ربّ کی بڑائی بیان کرو اور اپنی زندگی میں قدم قدم پر اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرو۔

Marfat.com

صبر و شکر

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

پس مجھے یاد کرتے رہو۔ میں بھی تمھیں یاد کروں گا اور میرا شکرادا کرو اور میرا انکار نہ کرو۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد چاہو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۲، ۳ آیت ۱۵۲، ۱۵۳

قرآنِ حکیم کی ان دو آیات میں صبر و شکر اور ذکر و صلوٰۃ کی تلقین کی گئی ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر صبر کی نصیحت اس وقت کی جاتی ہے جب کوئی آدمی عاجز اور لاچار ہو جائے اور اس کے لیے کوئی دوسرا چارۂ کار باقی نہ رہے۔ اس وقت کہتے ہیں صبر سے کام لو۔ قرآنِ حکیم اور خود عربی زبان کی رُو سے یہ مفہوم صحیح نہیں۔ صبر کے اصلی معنی ہیں ثابت قدم رہنا۔ دل کے قابو میں آجانے کے بجائے دل کو قابو میں رکھنا۔ اسی باعث "الصّبیں" بادل کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو بہت دیر تک ایک ہی جگہ قائم رہے۔ اسی طرح "الاَصبیرۃ" اہلِ عرب کے ہاں اس ریوڑ کا نام ہے، جو صبح کو چرنے نکلے اور شام کو پوری طرح ٹھیک حالت میں گھر واپس آجائے۔

دُوسرا لفظ شکر ہے۔ اس کا مطلب ہمارے ہاں یہ لیا جاتا ہے کہ جب اللہ کی طرف سے کوئی نعمت ملے، زبان سے الحمد للہ کہہ دیا جائے یقیناً ادائے شکر میں یہ

Marfat.com

بھی شامل ہے۔ مگر شکر یہی کچھ نہیں۔ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق استعمال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بالمقابل متعلقہ آیت میں لفظ کفر استعمال ہوا ہے یعنی کفرانِ نعمت اور ناشکری۔ فرمایا یہ گیا ہے کہ تمھیں جو نعمتیں دی گئی ہیں انھیں صحیح مصرف میں لاؤ۔ اگر ان سے غلط کام لوگے تو یہ اللہ کا انکار اور اس کی ناشکری ہوگی۔

ان آیات کا تیسرا سبق یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مشکل آپڑے یا وہ آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو اسے گھبرانا نہیں چاہیے اسے اللہ کی یاد اور نماز سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔ اللہ کے سامنے جھک جانے سے دل کو ایک عجیب اطمینان و سکون ملتا ہے اور وہ اس یقین اور ایمان سے سرشار ہو جاتا ہے کہ میں تنہا نہیں ہوں، اللہ میرے ساتھ ہے اور ظاہر ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ہو جائے تو پھر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔

Marfat.com

فلسفۂ دُعا

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ○

اور جب اے رسُول تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجیے کہ) مَیں تو قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہُوں۔ جب وہ مجھ سے دعا کرے۔ پس انھیں میرے احکام کو قبول کرنا اور مجھ پر ایمان لانا چاہیے۔ عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔

پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۸۶

اس آیتِ پاک کا مرکزی مضمون دعا ہے۔ قرآنِ حکیم کا اسلوب خاص یہ ہے کہ جہاں کہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت یا اس کی حاکمیّت یا اس کے غضب کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ وہاں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور یہی شاہانہ اندازِ کلام بھی ہے بادشاہ یوں ہی خطاب کرتے ہیں ——— لیکن جہاں وہ بندوں پر اپنی شفقت اور رحمت بیان فرماتا ہے۔ وہاں صیغۂ واحد استعمال کرتا ہے۔ اس آیتِ پاک کو دیکھیے۔ اس میں عبادی، عنّی، فانّی، اُجیب جتنے الفاظ حق تعالیٰ نے اپنے متعلق استعمال کیے ہیں، وہ سب واحد ہیں۔ اس سے اپنے بندوں پر اس کے خاص کرم اور عنایت کا ثبوت ملتا ہے دعا انسان اپنی ضرورت کے لیے مانگتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اعلیٰ درجہ کی عبادت قرار دیا ہے یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے اور بندے کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہنے دیتا

Marfat.com

وہ کہتا ہے مَیں تمہاری شہ رگ سے قریب ہُوں۔ جو مانگنا ہے مجھ سے براہِ راست مانگ لو۔

ارشاداتِ نبویؐ سے پتا چلتا ہے کہ انسان جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک بات اُسے ضرور عطا فرما دیتا ہے یا تو اسی وقت اس کی دعا قبول کر لی جاتی ہے یا اسے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔

آپ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے سخی کو لے لیں۔ آپ اس سے بار بار مانگیں وہ تنگ آجائے گا۔ غضب ناک ہو گا مگر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے معاملہ یہ ہے کہ آپ اس سے مانگتے رہیں وہ راضی رہے گا۔ مانگنا چھوڑ دیں۔ ناراض ہو جائے گا۔ اسی طرح دنیا میں جس سے بھی مانگیں اس کا انجام ذِلّت ہے مگر اس کا درِ رحمت ایسا ہے کہ جہاں سے مانگو تو ذِلّت کی بجائے عزّت عطا ہوتی ہے۔

اکبر الٰہ آبادی نے کتنی خوب صورت بات کہی ہے ؎

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبر
یہی وُہ در ہے کہ ذِلّت نہیں سوال کے بعد

Marfat.com

اِنفاق فی سبیلِ اللہ

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۚۖ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور اچھے کام کرتے رہو یقیناً اللہ تعالےٰ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۸ آیت نمبر ۱۹۵

یہ آیتِ پاک جہاد کے پس منظر میں نازل ہُوئی ہے۔ برسوں ظلم وستم سہنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھیوں کو کفّار کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کی اجازت ملی تو قرآن حکیم نے کہا دیکھنا جہاد میں صرف جانی قربانی ہی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس میں مالی قربانی کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے اس موقع پر بخل نہ برتو۔ مجاہدین کی مدد کے لیے دل کھول کر خرچ کرو۔

اس کے ساتھ یہ شرط بھی عائد کر دی کہ یہ خرچ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کی راہ میں ہو اس کا مقصد دُنیا والوں سے داد تحسین حاصل کرنا یا اپنی امارت اور فیاضی کا چرچا کرنا نہ ہو۔ کیونکہ اسلام کا اصل الاصول انّما الاعمال بالنیّات ہے۔ اللہ کے ہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ دینے والے نے کیا اور کتنا دیا۔ ہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کس جذبے اور نیّت سے دیا۔ دُوسرے لفظوں میں اللہ اور رسُولؐ کے نزدیک قدر وقیمت کمیّت کی نہیں کیفیت کی اور کوانٹٹی کی نہیں کوالٹی کی ہے۔

Marfat.com

یہ بھی وضاحت کر دی کہ اگر تم نے ملّتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لیے اس اہم مرحلہ پر خرچ کرنے سے گریز کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمن کے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے۔ تمھاری اجتماعی طاقت کمزور ہو جائے گی اور اس طرح قوم کا ایک ایک فرد تباہی و بربادی کا شکار ہو جائے گا۔

آیت کا حاصل یہ نکلا کہ اسلام اس کے خلاف نہیں کہ دولت کمائی جائے وہ تو کسبِ حلال کو فرض قرار دیتا ہے اور ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھتا ہے۔ وہ فقط اس رجحان کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے کہ آدمی بندۂ درہم و دینار بن جائے۔ اور جب کبھی دولت اور ملی و اسلامی تقاضوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا مرحلہ آئے تو وُہ دولت کو ترجیح دے اور ان تقاضوں کو اس کے مقابلے میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

Marfat.com

رسموں کی زنجیر

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ، البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں ہی سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پا جاؤ۔

پارہ ۲ رکوع نمبر ۸ آیت نمبر ۱۸۹

اسلام سے پہلے دنیا میں نیکی کا تصور بُری طرح مسخ ہو چکا تھا۔ زیادہ تکلیفیں سہنا اور انسانی فطری سادگی کے برعکس طرح طرح کی رسموں پر عمل کرنا رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ نیکی کے اس تصور کے تحت عبادات میں بھی بعض خود ساختہ پابندیوں کا اضافہ کر لیا گیا تھا۔

حج ایک عظیم الشان عبادت ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ قربانی کی ایک بےمثال یادگار ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے مشرکین بھی حج کرتے تھے۔ مگر کچھ غلط رسمیں اس میں شامل کر لی گئی تھیں ان ہی غلط رسموں میں سے ایک رسم یہ تھی کہ جب کوئی شخص حج کے لیے احرام باندھ لیتا تو پھر وہ اپنے گھر میں آنے کے لیے دروازہ استعمال نہ کرتا بلکہ پیچھے سے دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہوتا۔ دروازہ سے داخل ہونے کو یہ گناہ سمجھتے اور دیوار پھاند کر

Marfat.com

آنے کو نیکی قرار دیتے ۔ اس آیتِ پاک میں اسی غلط ذہن کی اصلاح کی گئی ہے۔
فرمایا۔ نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ۔ نیکی کی اصل رُوح تو یہ ہے کہ دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہو اور انسان اس یقین کے ساتھ زندگی گزارے کہ اسے مرنے کے بعد اپنے ایک ایک قول و عمل کا حساب اپنے ربّ کو پیش کرنا ہے۔
فرمایا گھروں میں دروازوں ہی سے آؤ اور غلط رسموں کی زنجیر پہننے کے بجائے اپنے اندر تقویٰ کی خوبی پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ یہ تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔
اس آیتِ کریمہ سے یہ سبق حاصل ہُوا کہ اسلام غلط رسموں کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ اسی لیے وُہ دین میں خود ساختہ باتوں کا اضافہ کرنے کو بدعت قرار دیتا ہے۔
ہمارا فرض ہے کہ ہم غلط رسموں کے خلاف جہاد کریں اور معاشرے میں نیکی کا صحیح تصوّر عام کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

ایک جامع دعا

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں (جو کچھ دینا ہے) دنیا میں دے دے۔ ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں اور کوئی ان میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچائے رکھ۔

پارہ نمبر۲ رکوع نمبر۹ آیت نمبر ۲۰۰

قرآنِ حکیم نے ان آیاتِ کریمہ میں دو مختلف ذہنوں کی ترجمانی کی ہے۔ ایک ذہن وُہ ہے جس کے پیشِ نظر صرف دُنیا ہی دُنیا ہے، وہ عالمِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، رکھتا ہے تو عملاً یہ ایمان اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اسے اس آنے والی زندگی کا اور ہمیشہ کی زندگی کا بھولے سے بھی خیال نہیں آتا۔ اس لیے جب کبھی وہ دعا مانگتا ہے اپنے دل میں آرزو کرتا ہے یا زبانِ حال سے طلب گار ہوتا ہے تو اس بات کا طلب گار ہوتا ہے کہ اس کی یہ زندگی عیش و آرام سے گزر جائے اور اسے جو کچھ ملنا ہے یہیں مل جائے۔

Marfat.com

دُوسرا ذہن اہلِ ایمان کا ہے وہ نہ اس دنیا کو نظرانداز کرتے ہیں نہ عقبیٰ کو فراموش۔ ان کی طلب بڑی متوازن اور ان کی دُعا بڑی جامع ہوتی ہے نہ وہ رہبانیت کے قائل ہیں کہ اس دنیا کو نجس و ناپاک سمجھ کر اس سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کریں اور نہ وہ اتنے کم بین و کم نظر ہیں کہ منافعِ دُنیا کے شوق میں خسارۂ آخرت اٹھانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ان کی دُعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی دے۔ حسنہ عربی زبان میں ہر قسم کی خیر و خوبی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہمیں وُہ مال دے، وُہ اولاد دے، وُہ ثمرات دے جو اچھائی کا باعث بنیں اور آخرت میں بھی ہمیں اچھائی عطا فرما۔ اور ظاہر ہے کہ آخرت کی اچھائی اس کے سوا اور کیا ہے کہ انسان رضائے الٰہی سے ہمکنار ہو جائے۔

احادیث میں آتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دُعا اکثر پڑھا کرتے تھے اور غور کیا جائے تو واقعی یہ دُعا ہے بھی بے مثل اور بے نظیر کیونکہ اس میں دارین کی حسنات سمٹ کر آ گئی ہیں۔

Marfat.com

حکمرانی کا حق

قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰىہُ عَلَیۡکُمۡ وَ زَادَہٗ بَسۡطَۃً فِی الۡعِلۡمِ وَ الۡجِسۡمِ ؕ وَ اللّٰہُ یُؤۡتِیۡ مُلۡکَہٗ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ○

"نبی نے کہا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں منتخب کر لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی دی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا اور بڑا علم والا ہے۔"

پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۱۶ آیت نمبر ۲۴۷

آیتِ قرآنی کا یہ ٹکڑا ایک طویل تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔ آج سے تقریباً تین ہزار سال قبل حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے کچھ قبل بنی اسرائیل، شام میں فلسطینیوں کے ہاتھوں بُری طرح پٹ رہے تھے۔ پیغمبرِ خدا حضرت شموئیلؑ بوڑھے ہو چکے تھے۔ بنی اسرائیل نے ان سے کہا کہ ہم پر ایک سردار اور بادشاہ مقرر کر دیجیے جس کی زیرِ قیادت ہم دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ حضرت شموئیلؑ نے اس پر حضرت طالوت کو ان کا قائد اور بادشاہ مقرر کر دیا۔ مگر بنی اسرائیل کا نکتہ چیں ذہن برہم ہو گیا۔ اس نے کہا طالُوت کیسے ہمارے بادشاہ ہو سکتے ہیں۔ جب کہ یہ کسی امیر کبیر گھرانے سے تعلق نہیں رکھتے۔ نہ خاندانی لحاظ سے عالی نسب ہیں۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے اس اعتراض کا جو جواب دیا وہی آج کی گفتگو کا مرکزی مضمون ہے۔ اس مختصر مگر جامع جواب میں جہانبانی اور حکمرانی کے استحقاق پر بڑی عُمدہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ خدا کے اس برگزیدہ پیغمبر نے فرمایا۔

Marfat.com

دیکھو تمھاری یہ بات بے بنیاد ہے۔ حکمرانی اور بادشاہی، امارت اور عالی نسبی پہ موقوف نہیں۔ اس کے لیے دو خوبیوں کی ضرورت ہے اور وُہ طالُوت میں بدرجۂ اتم موجُود ہیں۔ ایک یہ کہ وُہ موجُودہ علوم و فنون کے ماہر ہیں اور دُوسرے یہ کہ جسمانی طاقت اور صحت و تندرستی کے اعتبار سے بھی یہ تم پر فائق ہیں۔

اس جواب سے معلُوم ہُوا کہ :-

افراد ہوں یا اقوام۔ ان کے اقتدار اور عروج کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک قانون مقرر ہے۔ اس قانون میں وہ کسی کے ساتھ رُو رعایت نہیں کرتا۔ وُہ قانون یہ ہے کہ جو شخصیّت یا قوم اپنے دور کے علوم و فنون بالفاظ دیگر ماڈرن سائنسز میں مہارت رکھتی ہے اور جو جسمانی طاقت سے بہرہ ور ہے۔ قیادت اور بادشاہت اسی کو عطا ہوتی ہے۔ پس مُسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم موجودہ علوم و فنون میں اور مادّی طاقت کے حصُول میں بھی دُوسری قوموں سے بازی لے جانے کی کوشش کریں کہ یہ بھی قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے عین مُطابق ہے۔

Marfat.com

خیر و شر

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

شیطان کہنے لگا۔ مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔ سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔

پارہ نمبر ۲۳ رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۸۲

قصۂ آدم و ابلیس بہت پرانا ہے۔ مگر اس میں عبرت و بصیرت اور حکمت و موعظت کے جو اسباق ہیں وہ ہمارے لیے قیامت تک نئے اور تازہ رہیں گے۔ خالقِ ارض و سمانے انسانِ اوّل کو خلافت بخشی اور بر بنائے علم بخشی (وعلم آدم الاسماء کلھا) تو ابلیس کی رگِ حسد پھڑک اٹھی۔ اس نے تکبّر کیا۔ کہنے لگا میں آگ سے پیدا ہوا ہوں یہ مٹی سے انا خیر منه۔ میں اس سے بہتر ہوں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اس کے آگے جھکوں۔ اللہ تعالےٰ کو کبر و حسد کی یہ ادا پسند نہ آئی۔ ابلیس راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ مگر راندۂ درگاہ ہو کر وہ شرِ مجسم ہو گیا اور کہنے لگا۔ میں انسان سے انتقام لوں گا۔ اسے گمراہ کروں گا اور مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ تیرے خاص اور خالص بندوں کے سوا سبھی کو دامِ فریب میں گرفتار کر کے چھوڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ابلیس کو اس کی مہلت دے دی اور اس طرح انسان کی آزمائش کا ایک لاانتہا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں لاتعداد حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں اور ان سب کا احاطہ انسان کے بس سے باہر ہے

Marfat.com

لیکن نظامِ کائنات پر کچھ بھی غور کیا جائے تو یہ بات فوراً سمجھ میں آجاتی ہے کہ ابلیس کا وجود بھی انسان کے لیے رحمت سے کم نہیں۔ مشہور قول ہے کہ ہر چیز اپنے اضداد سے پہچانی جاتی ہے۔ کثافت نہ ہو تو لطافت کیسے نمایاں ہو۔ ظلمت نہ ہو تو نُور کی قدر کون کرے۔ گرمی، سردی۔ اندھیرا، اُجالا۔ رات دن۔ زندگی موت اضداد کے اسی چکر سے زندگی کا نظام عبارت ہے۔ دشمن نہ ہو تو دوست کی پہچان نہیں ہوتی۔ اسی طرح شر نہ ہو تو خیر میں جان نہیں ہوتی۔ ابلیس کو آدم کے مقابلے میں کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی خفتہ صلاحیتیں بیدار کرنے کا موقع بہم پہنچا دیا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اپنے حریف کو پہچانیں۔ اس کے دامِ فریب میں نہ آئیں اور خلافتِ ارضی پر اپنے استحقاق کو ثابت کر دکھائیں۔

Marfat.com

دین میں جبر نہیں

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت تو گمراہی کے مقابلے میں خوب واضح ہو چکی ہے تو جو طاغوت کا انکار کرے اللہ پر ایمان لے آئے۔ اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ جس کے لیے شکستگی نہیں اور اللہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۲۵۶

اس آیت کا سلسلۂ کلام یہ ہے کہ پیچھے سے بحث جہاد کی چلی آرہی ہے اور اس موقع پر یہ بتایا جارہا ہے کہ جہاد کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ اس کا مقصد تو فتنہ وفساد کو ختم کرنا ہے۔ رہا دین کا قبول کرنا یا نہ کرنا تو یہ عقیدے کی بات ہے اور ظاہر ہے کہ عقیدے کا تعلق دل سے ہے۔ جسم پر تو جبر کیا جاسکتا ہے دل پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جبر کرنے کی ضرورت اس مسلک اور اعتقاد کو پڑتی ہے۔ جس کی دلیل نامحکم اور جس کی برہان بے جان ہو۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کا ایک ایک جز روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے۔ قرآنِ حکیم نے کھرے اور کھوٹے کو غلط اور صحیح کو، جھوٹ اور سچ کو، حق اور باطل کو، اندھیرے اور اجالے کو، ظلمت اور نور کو اس طرح الگ الگ کر دیا ہے کہ کوئی بھی عقلِ سلیم رکھنے والا انسان دعوتِ اسلام

Marfat.com

پر لبیک کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس بحث کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ان کی شریعت کو جبر کی ضرورت تب ہو جب کسی کے اسلام قبول کرنے سے ان کا اپنا کوئی ذاتی مقصد حل ہوتا ہو۔ فرمایا کہ جو کوئی طاغوت کا انکار کرے (امام راغب کہتے ہیں (اَلطَّاغُوْتُ عِبَارَةٌ عَنْ کُلِّ مَعْبُوْدٍ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ) طاغوت خدا کے سوا ہر معبود کا نام ہے) اور خدا پر ایمان لائے تو اس میں فائدہ صرف اور صرف اس کا اپنا ہے کہ اس طرح اسے ایک ایسا مضبوط سہارا ہاتھ آ جائے گا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا جسے پکڑ کر دنیوی زندگی کی کٹھن گھڑیاں بھی ہنسی خوشی گزاری جا سکتی ہیں اور جس کے ذریعے سے آخرت میں بھی سرخروئی حاصل کی جا سکتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ جب اسلام کے قبول کرنے میں فائدہ سراسر خود بندوں کا اپنا ہے اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ اس کے لیے ان پر جبر کرے۔

بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، یہ اپنی مرضی کا سودا ہے، اسلامی حکومت دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو ہرگز مجبور نہیں کرے گی کہ وہ ضرور اسلام قبول کریں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو دور جانے کی ضرورت نہیں مسلمانوں کے مقابلے میں اس ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت نہ ہوتی جہاں صدیوں تک مسلمانوں نے شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی ہے۔

Marfat.com

شیطانی وسوسہ

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ۖۙ

شیطان تمھیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور تمھیں بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا بڑا علم والا ہے۔

پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۳ آیت نمبر ۲۶۸

اس ارشادِ ربّانی سے اُوپر کی آیات میں اہلِ ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی نصیحت فرمائی گئی ہے عام طور پر جب کبھی ملک و ملّت کے لیے یا اپنے دوسرے حاجت مند بھائیوں کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مرحلہ آتا ہے، تو لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنی دولت اسی طرح خرچ کر دی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ محتاج اور فقیر ہو جائیں۔ قرآنِ حکیم نے اس سوچ کو وسوسۂ شیطانی قرار دیا ہے فرمایا کہ جب کبھی انفاق فی سبیل اللہ کا مرحلہ آتا ہے۔ شیطان تمھیں فقر و فاقہ سے ڈراتا اور فحشاء کا حکم دیتا ہے۔ فحشاء عربی زبان میں ہر بُرے کام اور ہر بُری صفت کا نام ہے لیکن بخل کی رُوحانی بیماری کے لیے اس کا استعمال بطورِ خاص ہوتا ہے۔ عربی کی مشہور لغت قاموس میں ہے الفاحِشُ البخیل فاحش بخیل کو کہتے ہیں تو شیطان فحشاء کا حکم دیتا ہے مطلب یہ ہُوا کہ تم بخل کرنے لگتے ہو، حالانکہ یہ ایک شیطانی صفت ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد فرمایا کہ شیطان تمھیں بخل کی طرف بلاتا اور احتیاج کا خوف دلاتا ہے اور اس کے مقابلے میں وُہ ذاتِ برحق جس کی راہ میں تم خرچ کرنے سے رُک رہے ہو، وُہ تم سے دو باتوں کا وعدہ کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمھیں مغفرت سے شاد کام کرے گا اور اس کا ظہور آخرت میں ہوگا اور دُوسرے یہ کہ اگر تم اس کی رضا کے لیے خرچ کرو گے تو وہ دنیا میں بھی تم پر فضل فرمائے گا تمھاری دولت کم نہ ہوگی، کچھ اور بڑھ جائے گی اور اس زندگی میں بھی تمھیں عزت اور سربلندی حاصل ہوگی۔

یاد رکھو! وُہ بڑی وسعت رکھنے والا ہے۔ جس کی یہ صفت ہو۔ اس کے ہاں انعام واکرام کی کیا کمی اور وُہ بڑے علم والا ہے۔ تمھاری نیتوں کو بھی جانتا ہے اس لیے بدلہ وہ تمھیں تمھاری نیّت کے مطابق عطا فرمائے گا۔

اب یہ سوچنا تمھارا کام ہے کہ شیطان کا وسوسۂ بخل و احتیاج قابلِ لحاظ ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا وعدۂ فضل و مغفرت؟

Marfat.com

اِحسان نہ جتاؤ

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

"جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کیا احسان اور اذیت سے اس کا تعاقب نہیں کرتے ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۴ آیت نمبر ۲۶۲

انفاق فی سبیل اللہ یعنی ریا اور نام ونمود کے بغیر خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ اسلام میں ایک محبوب اور مطلوب عمل ہے اور قرآنِ حکیم نے جگہ جگہ اہل ایمان پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس آیت کریمہ میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر اجر تب ملتا ہے جب خرچ کرنے والا ان دو باتوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ ایک تو یہ کہ خرچ کرنے کے بعد کسی پر احسان نہ جتائے۔ جس کی مدد کی ہے اسے ممنون ومتشکر بنانے کی کوشش نہ کرے۔ اسے یہ احساس نہ دلائے کہ وہ اس کا محسن اور کرم فرمائے خاص ہے

Marfat.com

دُوسرے یہ کہ جس کی للہ فِی اللہ مدد کی ہے۔ اسے بعد میں اذیّت نہ پہنچائے احسان جتانا اور مدد کے بعد کسی کو اپنے سے حقیر اور فرومایہ تصوّر کرنا یا اپنے قول وعمل سے اس کا اظہار کرنا یہ سب اذیّت پہنچانے کی مختلف صُورتیں ہیں۔ بعض بزرگانِ دین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر تُو یہ محسوس کرے کہ تُو نے جس کی مدد کی ہے تجھے سلام کہنے میں اسے تکلّف سے کام لینا پڑتا ہے تو تُو میل جول کے مواقع ہی پیدا نہ کر تاکہ تیرا استقبال کرنے میں اسے بوجھ محسُوس نہ ہو۔

Marfat.com

عِلم وحکمت

یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَةَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ○

"وہ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت عطا ہو گئی اسے یقیناً خیرِ کثیر عطا ہو گئی اور نصیحت تو بس صاحبانِ فہم ہی قبول کرتے ہیں۔"

پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۲۶۹

اس آیتِ پاک میں حکمت سے مراد علمِ نافع ہے یعنی وہ علم جو فرد اور جماعت دونوں کے لیے نفع بخش ہو تفسیرِ مظہری میں ہے الحکمۃ العلم النافع حکمت علمِ نافع کو کہتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ علم و حکمت اللہ تعالیٰ کی عطائے خاص ہیں اور ان پر کسی ایک قوم یا گروہ کا اجارہ نہیں۔ وُہ جس کو چاہے اس نعمت سے سرفراز فرما دے اور جس کسی کو وہ یہ نعمت عطا فرما دیتا ہے بس یہ سمجھنا چاہیے کہ اسے خیرِ کثیر عطا ہو گئی خیراً کثیراً" عربی گرامر میں نکرہ ہے اور مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ التنکیرُ للتعظیم اس کا نکرہ ہونا عظمت کی وجہ سے ہے یعنی اتنی بڑی نعمت اتنی بڑی اچھائی اور اتنی بڑی بھلائی کہ اس کی عظمت اور انتہا کا تعیّن ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بات کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یُوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ جس سے بھلائی کرنا چاہتا ہے، اسے دین کا فہم عطا فرما دیتا ہے۔

قرآنِ حکیم اور قرآنِ ناطق محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طلبِ علم کو کیا

Marfat.com

قدر و منزلت عطا فرمائی ہے۔ یہ آیتِ پاک اس کی ایک روشن مثال ہے۔ تاریخِ انسانی پر قرآن اور صاحبِ قرآن کا یہ عظیم احسان ہے کہ نبیِ اُمّی پر پہلی وحی نازل ہُوئی تو وہ یہ تھی کہ اِقراء باسم ربك الذی خلق پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علمِ مجسم تھے مگر آپ اپنی حیاتِ ظاہری کے آخری لمحے تک یہی دعا کرتے رہے کہ رَبِّ زدنی علما اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔ مرنے کے بعد آدمی کا سلسلۂ اعمال منقطع ہو جاتا ہے مگر پیغمبرِ اسلام نے ارشاد فرمایا کہ علمِ نافع مرنے کے بعد بھی عالم کی ترقیِ درجات کا باعث بنتا ہے۔ یہی علمِ نافع ہے جسے قرآن خیرِ کثیر کہتا ہے۔

اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس خیرِ کثیر کو حاصل کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔

Marfat.com

وارثوں کا مال

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

جو لوگ اپنا مال شب و روز کھلے چھپے خرچ کر رہے ہیں ان کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے اور ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۲۷۴

ایمان کے بعد اسلام کے" بنیادی رکن نماز اور زکوٰۃ ہیں۔ نماز کی اصل روح اللہ تعالیٰ کے حقوق کا احترام ہے اور زکوٰۃ کی اصل روح سخاوت اور فیاضی کا جذبہ ہے۔ زکوٰۃ وہی ادا نہیں کرتا جو کنجوس اور بخیل ہو اور اس کے ادا کرنے میں راحت اسی کو محسوس ہوتی ہے جو سخی اور فیاض ہو۔ قرآنِ حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں دو لفظ بار بار نگاہوں سے گزریں گے۔ ایک انفاق جس کے معنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ہیں۔ اور ایک ایثار جس کے معنی خدا کی راہ میں دینے کے ہیں۔ اس آیتِ پاک میں بھی ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو رات دن کھلے چھپے ہر وقت خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے نہ انھیں خوف ہوگا نہ حزن۔ خوف عربی زبان میں اس کیفیت کو کہتے ہیں جو مستقبل کے کسی خطرے پر طاری ہوتی ہے اور حزن اس غم کا نام ہے جو ماضی کے کسی واقعہ پر لاحق

Marfat.com

ہوتا ہے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے لوگ نہ تو ماضی پر پچھتائیں گے کہ دنیا میں ہم نے کیوں خرچ کیا اور نہ انھیں مستقبل کا خوف ہوگا کہ خدا جانے! اب ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ یہ ہر طرح مطمئن اور بامراد و شاد کام ہوں گے اور اللہ تعالےٰ انھیں اجرِ عظیم سے سرفراز فرمائے گا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حسین اور بلیغ ارشادات میں مختلف اسلوبوں سے سخاوت کی اہمیّت ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے صحابۂ کرام سے فرمایا۔ تم میں کون ہے جسے اپنے وارثوں کا مال اپنے مال سے زیادہ عزیز ہو۔ عرض کیا گیا یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بھی تو نہیں فرمایا تو ہر شخص کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور جو اس نے پیچھے چھوڑا وُہ تو وارثوں کا مال ہے۔

اُوپر مذکور ارشادِ قرآنی سے سبق یہ ملا کہ مال و دولت کی محبت میں مبتلا ہونے کے بجائے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔ اسی سے دُنیا میں سربلندی عطا ہوگی اور اسی سے آخرت میں نجات۔

Marfat.com

نیکی کا مرتبہ کمال

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ○

تم اس وقت تک نیکی کے مرتبہ کمال تک پہنچ نہیں سکتے۔ جب تک (اللہ کی راہ میں) ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو گے جنھیں تم محبوب رکھتے ہو اور جو کچھ بھی کسی چیز میں سے خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱ آیت نمبر ۹۲

اس آیت میں بات عام نیکی کی نہیں ہو رہی' وہ تو کوئی بھی چیز اللہ کی راہ میں صدقہ کر دو۔ تمھارے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائے گی یہاں تک کہ اپنے مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملو گے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی صدقہ قرار دے کر تمھیں اپنے انعامات سے سرفراز فرمائے گا۔

بات یہاں نیکی کے مرتبۂ کمال کی ہو رہی ہے۔ البر عربی زبان میں خیرِ مطلق یا نیکی کی روح اور حقیقت کو کہتے ہیں اور اس آیتِ کریمہ کی رو سے مرتبۂ کمال کی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنی محبوب ترین چیزوں کو راہِ خداوندی میں خرچ کرے۔ ان محبوب ترین چیزوں میں علم بھی شامل ہے، مال بھی، وقت بھی شامل ہے اور عزت و جاہ بھی۔

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت ابو طلحہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ان کا ایک کھجوروں کا قیمتی باغ تھا۔ جہاں کبھی سرکارِ دو عالمؐ بھی تشریف لے جایا کرتے تھے، عرض کیا۔

یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اپنی تمام چیزوں میں یہ باغ سب سے زیادہ محبوب و مرغوب ہے۔ میں اسے اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔

Marfat.com

قبول کرنے والے نے مسلمانوں کے بیت المال کے لیے یہ باغ قبول فرما لیا۔
لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ۔معیارِ انفاق بس باغ ہی تھا۔نہیں نہیں، ایسا بھی ہُوا کہ۔ایک مرتبہ آپ نے اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی اپیل کی۔کوئی جان نثار گھر کا آدھا اثاثہ لے آیا۔کوئی پُورے کا پُورا۔مسجدِ نبوی سونے چاندی اور غلّے کے ڈھیر سے بھر گئی۔ ایسے میں ایک پریشان حال فاقہ مست مُسلمان تھوڑی سی کھجوریں لیے حاضر ہُوا۔ عرض کیا۔
یا رسُول اللہ! سارا دن محنت مزدُوری کرنے کے بعد معاوضہ میں یہ کھجوریں مل سکی ہیں۔میں یہ سب کی سب اسلام کی نذر کرتا ہُوں۔
دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اللہ کے پیارے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ اقدس فرطِ مسرّت سے دمک اُٹھا۔آپؐ نے وہ کھجوریں سونے چاندی اور غلّے کے سارے ڈھیروں پر بکھیر دیں اور فرمایا کہ "کیا عجب ان کھجوروں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان دُوسری چیزوں کو بھی قبول فرمالے۔"
تو سبق یہ ملا کہ اللہ کی راہ میں محبوبات و مرغوبات کا خرچ بقدرِ وسعت و استطاعت مقصود ہے۔اس کے لیے اصل اعتبار نیت و خلوص کا ہے نہ ظاہرداری اور ریاکاری کا نہیں۔

Marfat.com

پہلا وُہ گھر خدا کا

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ
مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

سب سے پہلا وُہ گھر جو سارے جہاں کے باشندوں کے لیے
وجہِ برکت ہے، مکّہ میں واقع ہے۔ یہ ساری دُنیا کے لیے
دلیلِ راہ ہے۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ا آیت نمبر ۹۶

اس آیتِ مبارکہ میں پروردگار نے خانہ کعبہ کے متعلق یہ انکشاف فرمایا ہے کہ یہ دنیا کا پہلا وہ گھر ہے جسے خدا نے بابرکت ٹھہرایا ہے۔ اور قرآن ہی کی رُو سے یہ خدا کا وُہ گھر ہے جس کی بُنیادیں جناب ابراھیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے جناب اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر اُوپر اٹھائی تھیں۔

قرآن کے الفاظ ہیں :

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط

جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بُنیادیں
اٹھا رہے تھے۔

پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۱۲۷

قرآنِ حکیم نے جو بات مجمل طور پر بیان فرمائی ہے، مؤرخین نے

Marfat.com

اسے خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مثلاً مشہورِ عالم تاریخ، تاریخ مکّہ کے مصنّف الرزاقی کہتے ہیں:

فلبث ما شاء الله ان یلبث فامرہ عزو جل بناء البیت[1]۔

یہی الفاظ الطبری کے بھی ہیں:

جب تک اللہ نے چاہا وہ شام میں رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ بیت اللہ کی تعمیر کریں۔

جنابِ ابراہیم علیہ السّلام اُس وقت شام میں تھے جب انھیں خدا کا یہ حکم ملا تھا۔ مؤرخ ابنِ سعد کی رُو سے اس وقت اُن کی عمر سو سال کی تھی اور جنابِ اسماعیلؑ تیس سال کے تھے۔

ابنِ سعد کے الفاظ ہیں:

اوحیٰ الله اِلیٰ ابراھیم ان یبنی البیت وَھُوَ یَومَئذٍ اِبنُ مِائَة سنة۔ واسمٰعیل یَومَئذٍ اِبنُ ثلاثین سنة۔[2]

اللہ نے ابراہیمؑ کو وحی کی کہ وہ بیت اللہ کی تعمیر کریں۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو سال تھی اور اسماعیلؑ تیس سال کے تھے۔

الرزاقی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فقاما یحفران من القواعد ونادا ربّنا

---

[1]: الرزاقی، اخبار مکّہ جز اوّل ص ۲۳۔ الطبری جز اوّل ص ۱۳۳

[2]: ابن سعد جز اوّل ص ۲۵

Marfat.com

تقبل منا انك انت السميع العليم۔ [1]

الرزاقی نے اس سلسلے میں مؤرخ ابن اسحاق کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے نے جب بنیادیں کھودیں تو وہ اصل بنیاد نکل آئی جو جنابِ آدم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ جنابِ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے اسی اوّل بنیاد پر اپنی بنیادیں اُٹھائیں۔

الفاظ ہیں : فقا مایحفران عن القواعد لیس معھما غیرھما فبلغ ابراھیم اساس آدم الاوّل [2]۔

تفصیل اس اجمال کی بھی قابلِ لحاظ ہے۔ الرزاقی، الطبری اور ابنِ خلدون کی رُو سے، مکّہ اس خطّۂ ارض کا پہلا وہ شہر ہے، جسے جنابِ آدمِ اوّل نے اپنا پہلا بسیرا بنایا تھا اور اُنھوں نے جو پہلی عمارت تعمیر کی تھی، وہ خانۂ کعبہ کی عمارت تھی۔ جو امتدادِ زمانہ کی نذر ہوگئی اور اس کی بنیاد زمین تلے دب گئی۔ جنابِ ابراہیمؑ نے یہی بنیاد کھودی اور اس پر نیا گھر تعمیر کیا۔

نقطۂ خاص اوپر مذکور آیت کریمہ کا یہ ہے :

خدائے واحد کی عبادت کے لیے یہ سب سے پہلا گھر کسی ایک قوم کے لیے خاص نہیں ہے۔ وضع للناس۔ یہ تمام بنی نوعِ انسان کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ عرب کے لیے بھی ہے اور عجم کے لیے بھی۔ مشرق والوں کے لیے بھی ہے اور مغرب والوں کے لیے بھی۔ گوروں کے لیے بھی ہے، اور کالوں کے لیے بھی۔ پھر فرمایا کہ یہ برکت والا اور کُل جہان کے لیے ہدایت ہے یہاں سے معرفتِ الٰہیہ کا وہ سرچشمہ پھوٹتا ہے جہاں سے تمام عالمِ انسانیت

---

[1] : الرزاقی جزاوّل ص ۲۴

[2] : ایضاً ص ۲۷ ابن خلدون جز ۲ ص ۱۵۵

Marfat.com

کی روحانی پیاس بجھتی ہے یہ وہ مقام ہے جہاں سال کے سال مسلمان جمع ہوتے ہیں اپنی مادی اور روحانی مشکلات کا حل لے کر جاتے ہیں اور یہ وہ مرکز ہے جس کا پروانہ وار طواف زندگی میں ہر صاحب استطاعت مومن کے لیے لازم ہے۔

خدا کا شکر ہر اُس انسان پر فرض ہے جسے اس پاک گھر کو اپنا قبلہ بنانے کی توفیق نصیب ہُوئی حقیقت یہ ہے کہ ہم اس گھر کے محافظ ہیں اور یہ دنیا و آخرت میں ہمارا محافظ ہے۔

دُنیا کے بُت کدوں میں پہلا یہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں یہ پاسباں ہمارا

Marfat.com

فاضل سرمایہ

"وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ۃ قُلِ الْعَفْوَ"

"اے پیغمبر! یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کیا جائے۔ کہہ دیجیے کہ جتنا کچھ زائد ہے۔" پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۱۱ آیت ۲۱۹

یہ آیت قرآنِ حکیم کی مشہور آیت ہے اور اس میں اہلِ ایمان کو ایک ایسی بنیادی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر وہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو اس سے ایک بہترین فلاحی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہر وقت بے تاب رہتے تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ اپنے لیے کچھ نہ رکھ سکیں سب کچھ اسلام کی راہ میں لٹا دیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد وہ حضور نبی اکرمؐ سے دریافت کرتے رہتے کہ ہم کتنا اور خرچ کریں۔ آیت کریمہ کے اس ٹکڑے میں ان کے انہی سوالوں کے جواب میں ایک اصول عطا فرمایا گیا ہے۔ فرمایا۔ یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔ انھیں کہہ دیجیے کہ جو ان کی ضروریات سے زائد ہے اس طرح یہ نیکی کے شوق میں کسی تنگی میں بھی مبتلا نہ ہوں گے اور جائز ضروریات پوری کرنے کے بعد اپنے فاضل سرمائے سے ملک و ملّت کی خدمت بھی کر سکیں گے۔

قرآنِ حکیم نے یہ تعلیم جس دور میں عطا فرمائی ہے سب جانتے ہیں کہ اس میں دفتری نظم و نسق اور معاشی نظام اپنی ابتدائی شکل میں تھا۔ حکومت کے پاس کوئی ایسی مشینری نہ تھی جس سے وہ اجتماعی پیمانے پر رفاہی اداروں کا قیام عمل میں لاتی۔ اس لیے زکوٰۃ کے بعد خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے معاملے کو یہ اصولی راہنمائی دے کر افراد پر چھوڑ دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ بھوکوں کو کھلانے غریبوں اور

Marfat.com

مسکینوں کے کام آنے اور یتیموں کے دُکھ درد مٹانے کی تلقین کی گئی ہے، آج جب کہ نظامِ حکومت ارتقائی مدارج طے کرکے انسانی زندگی کی جملہ جزئیات پر حاوی ہو چکا ہے اور اجتماعی فلاحی کام ریاست کی اہم ذمہ داری قرار پا چکے ہیں تو یہ بات پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہو گئی ہے کہ فاضل سرمایہ جو چند افراد کے درمیان گردش کرتا ہے یکجا کرکے ایک باقاعدہ منصوبہ کے تحت غربت و افلاس دُور کرنے کے لیے خرچ کیا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں طبقاتی کش مکش کے وہ تمام مظاہرے آپ سے آپ ختم ہو جائیں گے جو آج کے بے سکون انسان کو ہر جگہ اپنے نرغے میں لے چکے ہیں اور اقبال کے لفظوں میں یہ توقع قائم ہو سکے گی :

جو لفظِ "قل العفو" میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وُہ حقیقت ہو نمُودار

Marfat.com

تقویٰ کا تقاضا

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

اے ایمان لانے والو! تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور تمھیں موت آئے تو اس حال میں کہ تم مسلم اور فرماں بردار ہو۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۱۰۲

قرآنِ حکیم کا یہ ارشاد اس کی پوری تعلیمات کا خلاصہ اور اس کی تمام ہدایات کا عطر ہے اور قرآن کی بعض دُوسری آیات کی رُو سے یہ وُہ وصیّت ہے جو دُنیا سے رخصت ہوتے وقت انبیائے کرامؑ اپنی اولاد اور دُوسرے تمام متعلقین کو کیا کرتے تھے، ایک مفسرِ قرآن نے لکھا ہے کہ اگر مجھ سے یہ کہا جائے پُورے قرآن میں سے اپنے لیے ایک آیت چُن لو تو مَیں اپنے لیے اس آیت کا انتخاب کروں گا۔

حکم اس ارشادِ ربّانی میں یہ دیا گیا ہے کہ تمھیں جب بھی موت آئے اس حال میں آئے کہ تمھیں متقی پائے اور چونکہ موت کا کوئی وقت معیّن نہیں اس لیے زندگی کا ہر لمحہ تقویٰ کے ساتھ گزارو، کیا خبر کب موت آجائے۔ تقویٰ عربی زبان میں بچنے اور احتراز و احتیاط کرنے کو کہتے ہیں لیکن اصطلاحِ قرآنی میں یہ قلب کی اس کیفیّت کا نام ہے جس کے تحت بُرائی سے نفرت اور نیکی کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور آدمی کوشش کرتا ہے کہ بڑے گناہوں ہی سے نہیں چھوٹے گناہوں سے بھی دامن بچائے امام ابنِ قیّمؒ کے الفاظ میں پھر وہ یہ نہیں دیکھتا کہ جو گناہ کیا جا رہا ہے وُہ کتنا

Marfat.com

چھوٹا ہے، یہ دیکھتا ہے کہ جس کی نافرمانی کی جا رہی ہے وہ کتنا بڑا ہے۔
عربی زبان کے ایک شاعر نے تقوے کے اس طرزِ عمل کی بڑی عمدہ ترجمانی کی ہے وہ کہتا ہے ؎

خَلِّ الذُنُوبَ صغیرۃً وکبیرۃً ذاکَ التقیٰ
لاتحقِرَنَّ صغیرۃ انّ الجبالَ من الحصیٰ

گناہوں کو چھوڑ دو خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے اسی کا نام تقویٰ ہے اور دیکھنا چھوٹے گناہوں کو حقیر نہ سمجھنا چھوٹی چھوٹی کنکریاں مل کر پہاڑ بن جاتی ہیں۔

Marfat.com

اِسلامی اِتّحاد

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ
قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج ○

"اور اللہ کی رسّی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو اور اپنے اُوپر اللہ کا یہ انعام یاد رکھو کہ جب تم ایک دُوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمھارے دلوں میں اُلفت ڈال دی پس اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔"

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۱۰۳

طلُوعِ اسلام سے قبل عربوں کی باہمی عداوتیں، تاریخ انسانی کا ایک تاریک باب ہیں۔ بات بات پر دنگا فساد اور لڑائی جھگڑا ان لوگوں کی گھٹّی میں پڑا ہُوا تھا۔ مدینہ کے دو مشہور قبیلوں اوس اور خزرج کے جدِّ اعلیٰ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے حقیقی بھائی تھے۔ ان کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا پیدا ہُوا جو بڑھتے بڑھتے اتنا پھیل گیا کہ ان دونوں کی نسلوں تک منتقل ہُوا۔ یہاں تک کہ ان دونوں قبیلوں کی دشمنی ایک سو بیس سال کے عرصے پر محیط ہو گئی اور ان کے درمیان جو چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں ان کی تعداد تاریخ کے بیان کے مطابق ایک ہزار سات سو بن جاتی ہے۔

اس آیتِ قرآنی میں ان گزشتہ واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے مسلمانوں کو اسلام کا احسانِ عظیم یاد دلایا گیا ہے جس کی بدولت دشمنیاں دوستیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اور برسہا برس کے جانی دشمن آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ فرمایا دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس انعامِ خاص کے بعد پھر سے تمھارے درمیان نا اتفاقی پیدا ہو جائے۔

Marfat.com

حکم دیا کہ باہم دگر متحد رہو اس سلسلے میں جو ارشاد فرمایا اسے کئی پہلوؤں سے زوردار اور مؤکد بنا دیا۔ پہلے تو یہ بات کہنے کے لیے کہ آپس میں دین کی بنیادوں پر متحد رہو، صیغۂ امر استعمال کیا۔ پھر ایک مرتبہ یہ کہنے کے بعد کہ وَاعتصمو ابحبل اللّٰہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو جمیعاً کے لفظ کا اضافہ فرمایا جس میں بجائے خود اتّحاد کی تلقین موجود ہے پھر اسی پر بس نہیں کیا ولا تفرّقوا کی تاکید کی گویا ارشادِ ربّانی کے ایک مختصر سے ٹکڑے میں کئی پہلوؤں سے متحد اور متفق رہنے پر زور دیا گیا اور نا اتفاقی اور ناچاقی سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اسلام اتّحاد اور اتفاق کو انعامِ الٰہی قرار دیتا ہے اور تفرقہ و انتشار اس کے نزدیک بدترین جرم ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قدم قدم پر اس تعلیمِ قرآنی کو پیشِ نظر رکھیں۔

Marfat.com

یہود بے بہبود

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذَالِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

ان پر ذلّت ثبت کر دی گئی ہے جہاں کہیں یہ پائے جائیں سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہُوا اور یہ غضبِ الٰہی کے مستحق ہو گئے اور ان کے لیے پستی اور بے بسی لازم کر دی گئی ہے۔ یہ اس لیے کہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ یہ اس لیے کہ یہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۳ آیت نمبر ۱۱۲

ایک دور تھا کہ بنو اسرائیل دُنیا کی قوموں کے امام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پے در پے کتنے ہی نبی ان کے اندر مبعوث فرمائے اور انھیں دنیا جہاں والوں پر فضیلت دی مگر اس بدبخت قوم نے اللہ تعالیٰ کے ان عظیم احسانات کی قدر نہ کی انبیائے کرام کو قتل کیا ان کی لائی ہوئی شریعت کا استخفاف کیا یہاں تک کہ قانونِ مکافات حرکت میں آیا اور اس قوم کو عزّت و عظمت کی بلندیوں سے ذلّت و مسکنت کی پستیوں میں پھینک دیا گیا۔ اس آیتِ کریمہ میں یہودیوں کو دی جانے والی سزائے ربّانی کا ذکر ہے۔ فرمایا کہ اس نافرمان اور ناشکری قوم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلّت مسلّط کر دی گئی ہے جہاں کہیں بھی یہ لوگ رہیں گے ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے۔ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا۔

Marfat.com

خواہ کہیں بھی وُہ پائے جائیں آیت کے اِس ٹکڑے کی تفسیر دیکھنی ہو تو دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی چند ہی سال قبل اٹلی میں ہنگری میں زیکوسلاویکا میں جرمنی میں اس قوم کا جو حشر ہو چکا ہے اسے تھوڑی دیر کے لیے مستحضر کر لیں۔ قرآن حکیم کی صداقت پر یقین آجائے گا۔ فرمایا یہ ذلّت و مسکنت ابدالآباد تک ان کا مقدر ہے البتہ ایک استثنا ہے اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاس۔ سوا اس کے کہ خدا کی طرف سے کوئی عہد ہو یا وُہ لوگوں کی پناہ میں آجائیں۔ حبل عربی زبان میں عہد اور امان کو کہتے ہیں لسان العرب میں ہے الحبل العہد والذمۃ والامان یعنی ہو سکتا ہے کہ عارضی طور پر انھیں اُبھرنے کا موقع مل جائے لیکن یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت کے ماننے والوں سے کوئی معاہدہ ہو جائے یا وُہ کسی دُوسری طاقت ور قوم کی امداد حاصل کر لیں۔ جہاں تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اپنی قوّتِ بازو کے سہارے سے دُنیا میں کسی مقام کے حصُول کا تعلق ہے اس میں انھیں کامیابی حاصل نہیں ہو گی۔

آج عالمِ عرب کے حالات سے مسلمان جس طرح دل گرفتہ اور ملول ہیں اس قرآنی پیش گوئی کے بعد ان کا حوصلہ قائم ہو جانا چاہیے اور انھیں یہ یقین کر لینا چاہیے کہ اگر وُہ متحد ہو کر ایمان و عمل کی راہ پر گامزن ہو گئے تو زمین انشاء اللہ یہود بے بہبود پر تنگ ہوتی چلی جائے گی۔

Marfat.com

غلطی کے بعد

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۗ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ ۗ
وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○

اور یہ لوگ وہ ہیں کہ جب کوئی بے جا حرکت کر بیٹھتے یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے لگتے ہیں اور یہ اپنے کیے ہوئے پر اصرار نہیں کرتے درآنحالیکہ وہ جان رہے ہیں۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۱۳۵

پیچھے سے ذکر جنت کا چلا آرہا تھا کہ یہ جنت متقی، خدا ترس اور نیکوکار بندوں کے لیے تیار کی گئی ہے جن کی پہچان یہ ہے کہ وہ راہِ خداوندی میں خرچ کرتے، غصّہ ضبط کرتے، عفو و درگزر سے کام لیتے اور دشمنوں سے بھی حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں اس آیت میں ان کی کچھ اور صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

فرمایا کہ معصوم عن الخطا یہ لوگ بھی نہیں ہوتے۔ غلطیاں ان سے بھی ہوتی ہیں گناہ ان سے بھی سرزد ہوتے ہیں فرق ان میں اور دوسرے لوگوں میں یہ ہے کہ جب کبھی ذہول و غفلت کی وجہ سے جذبات میں آکر بھولے سے یہ کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں تو انھیں چین نہیں آتا۔ بار بار اپنے رب سے معافی طلب کرتے اور اس کے آگے گڑگڑا گڑگڑا کر اپنی غلطی کا اعتراف کرتے، یہ فقط زبان ہی سے استغفر اللہ، استغفر اللہ کا

Marfat.com

ورد نہیں کرتے ہیں۔ ان کی حالت یہ نہیں ہوتی کہ دل تو بدستور گناہ میں لذت لے رہا ہو مگر منہ سے استغفار پڑھی جا رہی ہو وہ اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسی توبہ تو خود قابلِ توبہ ہے، ان کے سامنے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا یہ ارشاد ہمیشہ تازہ رہتا ہے کہ المستغفر من الذنب وھو مقیم علیه کالمستھزی بربه۔ گناہ سے توبہ کرنے والا درآنحالیکہ وہ اس کا برابر ارتکاب بھی کیے جا رہا ہے ایسے ہے جیسے اپنے رب سے تمسخر اور استہزا کرنے والا۔

تو ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اس کے لیے توبہ کرتے ہیں۔ اس پر اصرار نہیں کرتے انھیں اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا یہ فرمان ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ بار بار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ گناہ متقی اور نیک انسانوں سے بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ تقاضائے بشریّت ہے۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ گناہ کرنے کے بعد بدستور غفلت میں نہ پڑا رہے۔ بلکہ اس کے لیے اپنے رب سے معافی طلب کرے۔ اللہ غفورٌ رحیم ہے وہ اسے اس سے یُوں پاک صاف کر دے گا جیسے اس نے کبھی اس غلطی کا ارتکاب ہی نہ کیا تھا۔

Marfat.com

اہلِ ایمان کی صفات

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ○

یہ وُہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی ہر حال میں خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

پارہ نمبر۴ رکوع نمبر۵ آیت نمبر۱۳۴

اس آیتِ پاک میں پرہیز گار اور متقی اہلِ ایمان کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں پہلی یہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو چاہے کسی حال میں بھی ہوں خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، دولت مندی اور ثروت کا زمانہ ہو تو فضول خرچی اور عیش و عشرت میں پڑ کر انفاق فی سبیل اللہ سے رُک نہیں جاتے اور غربت ہو تو فقر و فاقہ انھیں حسبِ استطاعت مالی ایثار سے باز نہیں رکھ سکتا۔

دُوسری یہ کہ وہ غصّہ کو ضبط کرنے والے ہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ نَاقِدِیْنَ الْغَیْظ نہیں کہا کَاظِمِیْنَ الْغَیْظ کہا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ انھیں غصّہ سرے سے آتا ہی نہیں کہا یہ ہے کہ غصّہ آتا تو ہے مگر ضبط کر لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضور نبی اکرمؐ کی ایک حدیث یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا، پہلوان وہ نہیں جو کُشتی میں دُوسروں کو پچھاڑ دے، اصل پہلوان وُہ ہے جو اپنے غصّہ کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

Marfat.com

غصّہ کو ضبط کر لینا سلبی اور منفی صفت ہے۔ قرآن نے اس سے آگے بڑھ کر تقویٰ کے دو مثبت اور ارتقائی مقامات بھی بیان فرما دیے۔ فرمایا یہی نہیں کہ وُہ غصّہ کو ضبط کر لیتے ہیں بلکہ کوئی ان پر زیادتی کر بیٹھے تو درگزر سے کام لیتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایسے آدمی کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔

حضرت امام زین العابدین کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک لونڈی آپ کو وضو کرا رہی تھی۔ اچانک اس کے ہاتھ سے لوٹا آپ کے اُوپر گر پڑا۔ حضرت امام نے خشمگین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو لونڈی نے فوراً کہا۔ الکاظمین الغیظ آپ کا غصّہ جاتا رہا۔ اس نے پھر کہا۔ والعافین عن النّاس آپ نے معاف کیا، اس نے پھر کہا۔ وَاللهُ یحبّ المحسنین۔

آپ نے فرمایا۔ جا میں نے تمھیں آزاد کیا۔

یہ ہیں پرہیزگاروں کی بہت سی صفات میں سے چند صفتیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

Marfat.com

مطالعۂ آثار

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○

یقیناً تم سے پہلے کئی طریقے گزر چکے ہیں سو تم رُوئے زمین پر
چلو پھرو اور دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہُوا؟

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۱۳۷

"سنن" سنت کی جمع ہے۔ سنت کے معنی ہیں طریقہ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مضاف اس میں سے حذف ہو اور یہ اصل میں اہلِ سنن ہو یعنی مختلف طور طریقوں پر عمل کرنے والے لوگ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنت کے معنی امت ہیں، یعنی پہلی امتیں۔ مطلب آیت کا یہ ہُوا کہ اے اہلِ ایمان! تم سے پہلے بہت سی اُمتیں، اور بہت سے طور طریقوں پر عمل کرنے والے لوگ گزر چکے ہیں۔ زمین پر گھُوم پھر کر ان کے بچے کھچے ہُوئے آثار دیکھو اور ان سے عبرت حاصل کرو۔ وُہ جو کل اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اُوپر انا ولا غیری کے ڈنکے بجا رہے تھے جن کے جاہ و جلال اور مال و منال کے بڑے چرچے تھے، جن کے عالی شان محلات آسمان سے باتیں کرتے تھے دیکھو آج کوئی آنکھ ان پر آنسو بہانے کے لیے تیار نہیں، کوئی ہاتھ نہیں جو ان کے حق میں دعا کو اٹھے اور کوئی لب نہیں جو اُن کے لیے کلمۂ خیر کہنے کو وا ہو۔ ان کی سر بفلک عمارتیں خاک کا ڈھیر ہیں اور ان کے بچے کھچے کھنڈر اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ جب کسی قوم کی سرکشی اور

Marfat.com

نافرمانی کی وجہ سے خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے تو پھر دُنیا میں کوئی طاقت اسے بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

سِیْرُوا — چلو پھرو سیاحت کرو اور انظروا — دیکھو دونوں امر کے صیغے ہیں ہرچند یہاں یہ حکم کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے لیکن ان سے اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے نزدیک مسلمانوں کو تاریخ سیاحت اور مطالعۂ آثار میں پوری دل چسپی لینی چاہیئے لیکن اس دل چسپی کا مقصود محض ذوق نظر کی تسکین نہ ہو بلکہ گزری ہوئی قوموں کے حالات و آثار سے عبرت پکڑ کر اپنی زندگی کو سنوارنا مطمحِ نظر ہو۔

Marfat.com

صورت یا حقیقت

وَ لَا تَہِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ
اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○

اور نہ ہمّت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے
اگر تم مومن ہو۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۱۳۹

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں سے غلبہ و نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اعلون، اعلیٰ کی جمع ہے یعنی علو اور غلبہ تمھیں ہی حاصل ہوگا۔ بس ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ مومن بن جاؤ۔

"تم مومن بن جاؤ" سے کیا مراد ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے ایک دو مثالوں پر غور فرمائیے، ایک ہوتی ہے کسی چیز کی صورت، ایک ہوتی ہے کسی چیز کی حقیقت، لوگ اپنے کھیتوں کی حفاظت کے لیے نقلی چوکیدار کھڑا کر دیا کرتے ہیں، شکل اس کی ہُو بہُو آدمی کی سی ہوتی ہے۔ کپڑے بھی اس نے پہن رکھے ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے پرندے اور حیوانات اس مغالطے میں مبتلا بھی ہوجاتے ہیں کہ یہ سچ مچ کا آدمی ہے مگر جب آہستہ آہستہ یہ مغالطہ رفع ہوجاتا ہے تو اس کی ذرّہ برابر پرواہ نہیں کرتے۔ اسی طرح شیر کی کھال میں بھوسا بھر دیتے ہیں تو دیکھنے میں یہ بھی ایک شیر نظر آتا ہے۔ مگر جب بچے قدرے سہمے رہنے کے بعد اس کے قریب جا کر اصل معاملے سے آگاہ ہوجاتے ہیں تو یہ شیر بے چارہ بچّوں کی

Marfat.com

ٹھوکروں کی زد میں آجاتا ہے۔ معلوم ہُوا کہ صُورت کے چوکیدار اور صُورت کے شیر سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک چوکیدار اور شیر کی حقیقت نہ پیدا کر لی جائے۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں سے ایمان کی جس شرط پر غلبہ و نصرت کا وعدہ کیا ہے اس سے صُورتِ ایمان نہیں حقیقتِ ایمان مراد ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ مُسلمانوں نے جب بھی اور جہاں بھی اس شرط کو پُورا کیا۔ اللہ تعالےٰ نے انھیں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمایا اور آج بھی اگر مسلمان اس پر پُورے اُتریں تو اللہ تعالیٰ کی امداد معرکہ ہائے حیات میں قدم قدم پر ان کے شامِل حال ہو سکتی ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں دنیا میں قطار اندر قطار اب بھی

Marfat.com

مقامِ رسالت

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ج وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○

بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر بڑا احسان کیا کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۸ آیت نمبر ۱۶۴

اس آیتِ کریمہ میں پیغمبرِ دو عالم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرائضِ چہار گانہ پر بڑے ایجاز لیکن بڑی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے سب سے پہلے اہلِ ایمان کو یہ احسانِ عظیم یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان ہی میں سے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو ان کی جانب نبی بنا کر بھیجا اور یہ احسان اگرچہ یوں تو پوری انسانیت پر ہے کہ وہ ذاتِ پاک رحمۃ للعالمین ہے مگر اہلِ ایمان کو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار اس لیے ہونا چاہیے کہ ان پر حضور سرورِ دو عالمؐ بطورِ خاص رؤف و رحیم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اس رسولِ اعظمؐ کے مقاصدِ بعثت یہ ہیں کہ وہ تلاوتِ آیات

Marfat.com

کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام ملتا ہے وہ اسے اس کے بندوں تک پہنچانے کا حق ادا کرتے ہیں گویا اس لحاظ سے ان کی حیثیت مبلّغِ اعظم کی ہے ان کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کا تزکیہ کرتے اور انھیں اخلاقی، روحانی آلائشوں سے پاک صاف کرتے ہیں گویا ان کی دوسری حیثیت مُصلحِ اعظم کی ہے۔ پھر ان کا کام یہیں ختم نہیں ہو جاتا وہ قرآن حکیم کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیم کے فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں اپنے قول و عمل سے اس کی تشریح اور ترجمانی بھی کرتے ہیں اور اس پہلو سے وُہ معلّمِ اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں پھر آپ تعلیم محض کتاب ہی کی نہیں دیتے بلکہ حکمت و دانائی کی تلقین بھی فرماتے ہیں۔ دین کے قاعدے اور آداب ساری امت کو سکھاتے ہی نہیں خواص کی معرفت کے خاص الخاص اسرار و رموز میں رہنمائی بھی فرماتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ مرشدِ اعظم کا مقام رکھتے ہیں۔

یہ ہے رسُولِ اکرم، نبی معظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بارے میں قرآن کا بیان وہ محض خدا اور بندوں کے درمیان قاصد اور پیام رسان بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں وہ مبلّغِ اعظم بھی ہیں اور مُصلحِ اعظم بھی، معلّمِ اعظم بھی ہیں اور مرشدِ اعظم بھی اور ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان چاروں حیثیتوں سے آپ کی نبوّت اور رسالت پر ایمان لائے۔

Marfat.com

موت کو نہ بھولو

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو تمھارا پورا اجر تو بس قیامت ہی کے دن ملے گا۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱۰ آیت نمبر ۱۸۵

قرآنِ حکیم کے اس ارشاد سے بعض غلط فہمیوں کا ازالہ مقصود ہے۔ طلوعِ اسلام سے قبل دُنیا کے ایک بڑے حصّے میں یہ عقیدہ پایا جاتا تھا کہ موت اصل میں ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا[1] میں آج بھی یہود کا یہ عقیدہ درج ہے کہ موت شخصی گناہ کا نتیجہ ہے۔ یہودیوں کی طرح عیسائی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ خواہش گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ جائے تو موت پیدا کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے اعلان کیا کہ موت کا نیکی یا بدی سے کوئی تعلق نہیں یہ تو زندگی کا ایک فطری تتمہ اور تکملہ ہے نیک ہو یا بد، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا گدا ہر ایک کو اس مرحلہ سے گزرنا اور موت کا مزا چکھ کے رہنا ہے۔

آیت کے دُوسرے ٹکڑے میں ایک اور غلط فہمی کو دُور فرمایا۔ بعض اوقات دُنیا میں ظلم کامیاب اور انصاف ناکام ہو جاتا ہے۔ سیدھی راہ پر چلنے والوں کو آرں

---

[1] : جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۴ ص ۴۰۳

Marfat.com

سے چیر دیا جاتا ہے، سُولیوں پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ مومن تنگی اور عُسرت کے دن گزارتے ہیں اور کافر عیش کرتے ہیں۔ نیکی کا صلہ گالیاں ہوتی ہیں اور بدی کے صلے میں گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر بار بار خیال آتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ قرآنِ حکیم نے کہا کہ یہ شبہ تمھیں اس لیے لاحق ہوتا ہے کہ تم اس دنیا ہی کو دارالجزا سمجھ بیٹھے ہو۔ نہیں نہیں یہ تو امتحان گاہ ہے۔ آزمائش کی جگہ ہے نیکی اور بدی کے اصل نتائج تو اس آنے والی زندگی میں تمھارے سامنے آئیں گے جو موت کے بعد کی زندگی ہے جس طرح موت اٹل ہے اسی طرح نیکی اور بدی کے یہ نتائج بھی اٹل ہیں۔ پس تمھارا کام یہ ہے کہ دُنیا کی لذّتوں میں گُم ہو کر موت کو نہ بھُولو اور اس عالمِ آخرت کو فراموش نہ کرو جس میں ہر شخص کو اس کے کیے کا پُورا پُورا بدلہ مل کے رہے گا۔

Marfat.com

سائنسی علوم

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ
وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۞

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے ادل بدل میں اہلِ عقل کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱۱ آیت نمبر ۱۹۰

اس آیتِ پاک کی تفسیر و تشریح کے دو پہلو ہیں۔ ایک عقیدہ سے متعلق ہے۔ دوسرا عمل سے۔ عقیدے کا پہلو یہ ہے کہ سرورِ دو عالم حضور نبی اکرمؐ کی بعثت سے قبل شرک میں ڈوبی ہوئی دنیا نے جہاں اور بے شمار چیزوں کو خدا بنا رکھا تھا وہاں زمین اور آسمان اور دن رات بھی اس کے نزدیک معبود کا درجہ رکھتے تھے بہت سی قومیں باقاعدہ ان کی پرستش کرتی تھیں۔ قرآنِ حکیم نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ زمین اور آسمان مخلوق ہیں۔ انھیں کسی نے خلق کیا ہے اس لیے ان کی عبادت کرنے کے بجائے اس کی عبادت کرنی چاہیے جو ان کا خالق ہے۔

عملی اعتبار سے قرآنِ حکیم نے یہ کہہ کر انسان کی خوابیدہ عقل و حکمت کو آواز دی کہ دن اور رات اور زمین و آسمان سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں تم ان کے لیے پیدا نہیں کیے گئے یہ سب چیزیں تمھارے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

اس لیے بنی نوعِ انسان کا فرض ہے کہ وہ دن اور رات کے ادل بدل اور آسمان

Marfat.com

اور زمین کی تخلیق پر غور و تدبّر کرے کائنات کو مسخر کرنے کی کوشش کرے اس طرح اسے قوت و معرفت کے نہ ختم ہونے والے خزانے حاصل ہوں گے۔ توحید خداوندی کے ان گنت ثبوت ملیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و صنعت اور اس کی قدرت و حاکمیّت کا یقین عطا ہو گا۔

سائنس سے دریافت کرو قرآنِ مجید کا یہ دعویٰ کتنا برحق ہے ہیئت کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ستاروں کی تعداد، چاند اور سورج کے اثرات اور ان کے باہمی تعلقات، ان کے طلوع و غروب کا نظام، ان کی گردش کے طور و اطوار یہ ساری چیزیں کتنی حیرت انگیز ہیں۔ جُوں جُوں عقلِ انسانی ترقی کر رہی ہے تُوں تُوں آسمان کے نہ ختم ہونے والے عجائب و غرائب اس پر آشکار ہوتے جا رہے ہیں۔ رہی زمین تو اس کے متعلق کتنی ہی سائنسی ایجاد ہو گئی ہیں۔ مگر اس کے اسرار و رموز ہیں کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتے فزالوجی، آرکیالوجی، میٹرولوجی، جغرافیہ اور خدا جانے کتنے ہی علوم و فنون ہیں جو زمین پر غور و خوض کرنے کے لیے وضع ہو چکے ہیں مگر عقل ہے کہ اس کی حیرانی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

آیت سے ایک سبق یہ حاصل ہُوا کہ سائنسی علوم عین منشائے قرآنی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

تین ہدایات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○

اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو اور مقابلہ کے لیے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو عجب نہیں جو فلاح پا جاؤ۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱۱ آیت نمبر ۲۰۰

یہ آیتِ پاک دیکھنے میں بڑی مختصر ہے مگر معنی و مطلب کے اعتبار سے اس میں بڑی گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔ اس میں اہلِ ایمان کو تین اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کی تعمیل میں انھیں جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اس کے لیے اپنے نفس میں قوتِ برداشت پیدا کریں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جتنے بھی فرائض ہیں ان کی ادائیگی میں جو تھوڑی بہت تکلیف پیش آتی ہے اسے خندہ پیشانی سے سہنا سیکھیں۔

دوسری ہدایت یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرتے ہوئے جو مصیبتیں وارد ہوں ان پر بھی صبر کرو۔ فرمایا! قربانیاں تو اس راہ میں دینی ہی پڑیں گی، تن من دھن کی بازی تو لگانی ہی پڑے گی، کبھی چرکے لگاؤ گے، کبھی چرکے کھاؤ گے، کبھی فتح ہو گی کبھی شکست۔ ایمان والوں کو اس صورتِ حال پر بھی صبر کی عادت ڈالنی ہو گی۔

تیسری ہدایت یہ دی کہ اللہ کی راہ میں ہمیشہ مستعد رہو۔ جہاد بالنفس ہو، یا جہاد بالسیف زندگی کے ہر مرحلے میں اس کے لیے آمادہ و تیار رہو۔ حضور نبی اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس رباط کی۔ خدا کی راہ میں مستعد رہنے کی، بے شمار فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا راہِ خدا میں ایک رات کا پہرہ، ایک ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ فرمایا اس آنکھ پر جہنم کی آنچ حرام ہے جو خوفِ خدا سے روئے اور اس آنکھ پر بھی جو خدا کی راہ میں شب بیداری کرے۔ اور فرمایا جس مجاہد کی ناک میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھی ہوئی گرد پہنچ گئی اس کی ناک میں جہنم کی آگ کا دھواں نہ جاسکے گا۔

صبر، مصابرہ، مرابطہ کی یہ تین ہدایات جاری فرمانے کے بعد آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ یہ خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ فرمایا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اللہ سے ڈرتے رہو کہ یہی خوفِ خدا ان تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی میں تمھاری قومی اور انفرادی فلاح و نجات کا راز مضمر ہے۔

Marfat.com

یتیموں کے حقوق

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤی اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ○

اور یتیموں کو ان کا مال پہنچا دو اور پاکیزہ (رزق) کو گندی چیز سے مت بدلو اور ان کا مال مت کھاؤ اپنے مال کے ساتھ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱۲ آیت نمبر ۲

رحمۃ للعالمین سید المرسلین خاتم النبیین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل جہاں زندگی کے دوسرے تمام شعبوں میں انتشار بپا تھا وہاں یتیم بھی سخت ناگفتہ بہ حالات سے دوچار تھے۔ یہ آپؐ کی تشریف آوری کا فیضان ہے کہ ان کی حالت سنبھلی زمانے نے ان کے حقوق کا احساس کیا اور وہ سکھ کا سانس لینے کے قابل ہو سکے۔

یتیموں پر اسلام کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ خود سرورِ دو عالم یتیم بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ والد کا سایہ پیدائش سے پہلے ہی سر سے اٹھ چکا تھا۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد والدہ ماجدہ بھی اللہ کو پیاری ہوئیں۔ دادا نے گود لیا ان کا بھی انتقال ہو گیا اور آخر اس بن ماں باپ کے بچہ نے شفیق چچا کے زیر سایہ پرورش پائی۔ یتیموں اور بے سہاروں کے لیے اس سے بڑا آسرا اور کیا ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کو یتیم اور بے سہارا پیدا کیا، جو پوری کائنات کا سرپرست اور پشتیبان بن کر دنیا میں تشریف لا رہا تھا۔ آپؐ تشریف لائے تو آپؐ نے یتیموں کے حقوق کی حفاظت کی اور حکم دیا کہ

Marfat.com

ان کے بالغ ہوتے ہی ان کی جائیداد ان کے حوالے کردی جائے۔ سرپرست اور متولی امیر ہوں تو یتیموں کے بالغ ہونے تک بلا معاوضہ ان کی جائیداد کی نگرانی اور دیکھ بھال کریں۔ غریب ہوں تو بس اتنا ہی معاوضہ لیں جس سے ان کی معمولی گزر بسر ہو جائے۔ قرآنِ حکیم نے کہا یہ یاد رکھو کہ ظلم کے ساتھ ان کا مال کھانا گویا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنا ہے۔ شارحِ قرآن حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یتیم کا مال کھانے والے اس حال میں قبروں سے اٹھائے جائیں گے کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں گے۔

ایک طرف یتیموں کے ساتھ زیادتی کرنے پر یہ وعید سنائی۔ سخت قانونی تحفّظات کیے، دُوسری طرف یہ خوشخبری بھی سُنائی کہ جو آدمی یتیم کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا سے ہم کنار فرماتا ہے۔ فرمایا جب کوئی آدمی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلے میں اس کو ایک نیکی عطا کرتا ہے۔ اور فرمایا جنت میں وہی داخل ہوگا جس کا دل نرم ہو اور دل کو نرم کرنے اور گداز قلب کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھو۔

Marfat.com

اخلاقی روگ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ۙ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۝ۚ

بے شک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خود بین اور مغرور ہیں جو بخل کرتے اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور جو کچھ انھیں اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے چھپا کر رکھتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلّت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۳ آیت نمبر ۳۶-۳۷

پیچھے سے حکم ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کا چلا آرہا تھا۔ اب ان آیات میں ان رکاوٹوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ان حقوق کی ادائیگی میں سدِّراہ بنتی ہیں۔ فرمایا تین قسم کے آدمی ہیں جو یہ حقوق ادا نہیں کرتے۔ ایک وُہ جو خود بین ہوتا ہے، ہر وقت اپنی بڑائی کے تصوّر میں مگن رہتا ہے اور دوسروں کی طرف ملتفت ہونے کو اپنی کسرِشان سمجھتا ہے۔ دُوسرا وُہ جو فخُور ہے، شیخی باز اور فخر جتانے والا ہے، ہر جگہ اپنی تعریفوں کے پُل باندھتا ہے، دوسروں کو حقیر سمجھتا اور بات بات پر کبر اور غرور کا مظاہرہ کرتا ہے اور تیسرا آدمی وُہ ہے جو بخیل ہے۔ والدین، اقربا اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا عملی ثبوت فراہم کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ بھی کرنا پڑتا ہے

Marfat.com

اور یہ ابنِ درہم و دینار ہے، سیم و زر کا بیٹا ہے۔ ایک ایک پیسے پر جان دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بخل کی یہ عادت ادائے حقوق میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تینوں ہی قسموں کے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا اور چونکہ اِن تینوں میں خود بینی اور کبر و غرور کا جذبہ پایا جاتا ہے اور بخیل بھی مال کی محبت میں اس لیے مبتلا ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے جاہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے آنے والی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذابِ مہین تیار کر رکھا ہے۔ جس کی خصوصیّت یہ ہے کہ یہ ذلیل اور رسوا کر دینے والا اور سخت اہانت کرنے والا عذاب ہے۔

آیاتِ پاک سے سبق یہ حاصل ہُوا کہ خود بینی، فخر و غرور اور بخل میں مبتلا ہونے والے لوگ دنیا میں ایک صالح مسلم معاشرہ کے رکن نہیں بن سکتے۔ اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس لیے مسلمان کہلانے والوں کا فرض ہے کہ وُہ ان تینوں اخلاقی اور رُوحانی بیماریوں سے محفوظ رہنے کی پُوری پُوری کوشش کریں۔

Marfat.com

لمحۂ ندامت

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝

سواس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ اٹھائیں گے اور ان لوگوں پر آپ کو بطورِ گواہ پیش کریں گے۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۳ آیت نمبر ۴۱

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عدالتِ آخرت کا ایک منظر دکھایا ہے۔ فرمایا۔ قیامت کے دن تمام امتوں اور قوموں کو ہمارے حضور لایا جائے گا اور ہم یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ ان تک ہمارا پیغام پہنچ چکا ہے۔ ان کے انبیاء کو بطورِ گواہ پیش کریں گے جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ ان سب کو توحید کی دعوت دی جا چکی ہے۔ کیا حق ہے اور کیا باطل۔ اسے ان کے سامنے واضح کرنے کی پوری پوری کوشش کی جا چکی ہے۔

اور چونکہ امام الانبیاء سید المرسلین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء و رسل کے خاتم ہیں اور سب کے بعد تشریف لائے ہیں۔ اس لیے آپؐ ان جملہ شہادتوں کی تصدیق و تائید فرمائیں گے اور ان انبیاءِ کرامؑ کے حق میں گواہی دیں گے۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ھٰۤؤُلَآءِ (ان لوگوں) سے مراد آپؐ کی امتِ دعوت ہے یعنی وہ تمام لوگ جو آپؐ کے اعلانِ نبوت سے لے کر قیامت تک دنیا میں آئیں گے۔ ان کے بارے میں یہ شہادت آپؐ دیں گے کہ ان تک قرآن پہنچایا جا چکا ہے۔ اور

Marfat.com

انھیں آخرت کے اس دن سے ڈرایا جا چکا ہے۔ صحابۂ کرامؓ کا بیان ہے کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کبھی یہ آیت تلاوت فرماتے تو ذمّہ داری کے احساس سے آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

یہ آیتِ پاک ہم تمام مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے خدا نہ کرے کہ کل قیامت کے دن ہم بھی آپؐ کی امت کے ان لوگوں میں شامل ہوں جن کی نافرمانی خود اس شفیع المذنبین کی نگاہوں کے سامنے متحقق ہو جائے۔

شاید علامہ اقبال نے اسی لمحۂ ندامت کا تصوّر نگاہوں کے سامنے کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے یہ دعا کی تھی کہ ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

Marfat.com

حسد کی قسمیں

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ
مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ

کیا یہ حسد کرتے ہیں لوگوں پر اس چیز کے باعث جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۵۴ کا ٹکڑا

اس آیت میں پیچھے سے ذکر یہودیوں کا چلا آرہا ہے کہ انھیں اس بات کی سخت تکلیف ہے کہ رسالت ان کے خاندان سے نکل کر بنو اسمٰعیل میں کیوں چلی گئی ہے اور ختم نبوّت کا تاج محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرقِ اقدس پر کیوں رکھ دیا گیا ہے۔ فرمایا اصل میں یہ لوگ حسد میں مبتلا ہیں حالانکہ جو چیز سراسر عطائے الٰہی ہے اس پر خواہ مخواہ حسد کرنا سخت حماقت کی بات ہے۔

اسلامی شریعت کی رُو سے حسد کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی یہ خواہش کرے کہ علم، دولت یا ثروت و عزت جو کسی اور کے پاس ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی عطا فرمادے۔ یہ عین فطری جذبہ ہے جسے رشک کہتے ہیں اور اسلام نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ خواہش کرے کہ فلاں کے پاس جو کچھ ہے وُہ اس کے بجائے مجھے مل جائے یہ ناجائز ہے اور تیسری قسم یہ ہے کہ ایک آدمی یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ فلاں کے پاس جو کچھ ہے وُہ بہر حال مجھے کسی صورت نہیں مل سکتا لیکن اس کی خواہش یہ ہو کہ اگر اسے نہیں مل سکتا تو پھر وُہ

Marfat.com

دُوسرے کے پاس بھی نہ رہے اور یہ حسد کی بدترین صورت ہے۔ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسد کی ان دونوں قسموں کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہیں جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم حسد کو جس نظر سے دیکھتا ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے نزدیک کائنات میں جو سب سے پہلا گناہ ہُوا وہ اسی جذبۂ حسد پر مبنی تھا۔ ابلیس نے انسانِ اوّل حضرت آدمؑ کے ساتھ حسد کیا۔ کہا اعزاز واکرام کا مستحق یہ نہیں مَیں ہُوں نتیجہ نکلا کہ بارگاہِ خداوندی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دھتکارا گیا۔

Marfat.com

مصطفیٰ برسال

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان ہو آپ کو حاکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۶۵

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان جھگڑا ہُوا۔ مقدمہ فیصلے کے لیے حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ منافق یہودی کو ساتھ لے کر ایک صحابیٔ رسول کے پاس پہنچا اور بتایا کہ اس طرح رسولِ پاکؐ نے فیصلہ کیا ہے مگر اس سے میرا اطمینان نہیں ہُوا۔ ازراہِ کرم آپ اس کا فیصلہ کر دیں۔ ان صحابیٔ رسول نے یہ بات سُنی تو فرمایا کہ جو شخص مسلمان کہلاتے ہُوئے رسولِ خدا کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا اس کا فیصلہ گفتار سے نہیں تلوار سے ہوگا۔ یہ کہا اور تلوار سے اس منافق کی گردن اڑا دی۔ مقتول کے وارث مقدمہ لے کر دربارِ نبوّت میں پہنچے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی جو اُوپر مذکور ہُوئی ہے۔

Marfat.com

اس آیتِ پاک میں یہ بات پُوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ مومن بننے کے لیے یہی کافی نہیں کہ اپنے تصفیہ طلب معاملات کا فیصلہ دربارِ رسُول اور شریعتِ رسول سے کرایا جائے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ فیصلہ صادر ہو جانے کے بعد اس پر کامل اطمینان بھی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے خلاف فیصلہ ہونے کی صُورت میں طبعی طور پر دل میں کچُھ تنگی محسوس ہو لیکن کم سے کم عقلی اور اعتقادی حیثیت سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

فقہا نے اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص رسولِ خدا کے کسی حکم میں شبہ کرے یا اسے ماننے سے انکار کر دے وُہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس پر بحث ہو سکتی ہے کہ کوئی حکم رسُولِ خدا کا ہے بھی کہ نہیں۔ اور ہے تو اس کا صحیح مفہوم کیا ہے لیکن جب ایک حکم پُوری طرح ثابت ہو جائے تو پھر مجالِ چُون و چرا نہیں اس لیے کہ

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

Marfat.com

بہترین صحبت

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا ۝

اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا خاص انعام کیا ہے، یعنی نبی صدیق شہید اور صالحین اور یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۶۹

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے جو دعا سکھائی ہے اس میں بندے اپنے رب سے مانگتے ہیں "اھدنا الصراط المستقیم" ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ کون سا سیدھا راستہ "صراط الذین انعمت علیھم" ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا جن پر انعام ہوا یہ کون لوگ ہیں۔ اُوپر کی آیت میں انہی کا ذکر ہے یعنی نبیین، صدیقین، شہدا، اور صالحین۔ صدیق وہ ہیں جن کی فطرت میں صداقت رچ بس جائے، اور پیغمبر کی تصدیق میں جن کے اذہان و قلوب ہر شک و شبہ سے بالا ہوں۔ شہداء وُہ ہیں جو اسلام اور ایمان کی عملی شہادت دینے کے لیے جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہ کریں اور صالحین وُہ لوگ جو زندگی کے مختلف معاملات میں شریعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، ہو سکتا ہے کبھی کبھی ایسے لمحات بھی آئیں جب دُنیا میں وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرے لیکن ایسے میں

Marfat.com

اسے یاد رہنا چاہیے کہ وہ اکیلا نہیں اس راہ کے مسافروں میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین بھی شامل ہیں اور وہ ان سب کے ساتھ قدم بقدم منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہا ہے۔

دُوسرا پہلو اس آیت کا جنت کی زندگی سے متعلق ہے۔ خدا اور رسول کی اطاعت کے نتیجے میں جنت عطا ہوگی اور یہاں مادّی اور رُوحانی ہر طرح کا عیش و آرام ہوگا لیکن اس عیش و آرام میں ایک گونہ کمی رہ جائے اگر صحبت یہاں اچھے لوگوں کی میّسر نہ آئے۔ فرمایا اہلِ جنت کو محبت اور رفاقت بھی بہترین ملے گی اور یہاں وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لطفِ ہمنشینی اٹھائیں گے جو انسانیت کے گُلِ سرسبد اور اس کا بہترین سرمایہ اور جوہر ہیں۔

Marfat.com

شہری دفاع

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا ○

اے ایمان والو! اپنی طرف سے (پوری) احتیاط کرلو پھر چاہے گروہ در گروہ کوچ کرو چاہے سب مل کر۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۷

اس آیت کریمہ کا پس منظر یہ ہے کہ جنگِ اُحد میں عارضی فتح کی وجہ سے کافروں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ مدینۂ منورہ پر ہر چہار جانب سے اعداء کا ہجوم تھا۔ صرف قریش ہی نہیں عرب کے دُوسرے قبیلے بھی کفر و شرک کے تحفّظ کے لیے متحد ہو چکے تھے۔ ایسے میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا کہ خُذُوْا حِذْرَکُمْ۔ حِذْرْ کے لفظی معنی احتیاط اور بچاؤ کے ہیں۔ مطلب یہ ہُوا کہ اپنی تیاری مکمل رکھو اور اس تیاری میں اسلحہ کی فراہمی بھی شامل ہے اور فنونِ جنگ میں مہارت بھی۔ فرمایا کہ ہر وہ تدبیر جس سے دفاع میں مدد مل سکتی ہے، اختیار کرنے کی کوشش کرو یہ نہ دیکھو کہ جنگ اور دفاع کا یہ طریقہ کس ملک اور قوم نے ایجاد کیا۔ جو طریقہ بھی مؤثر اور کارگر ہو اسے اختیار کرنے میں دریغ نہ کرو۔

یہی ارشادِ قرآنی تھا جس کی تعمیل حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے جنگِ احزاب کے موقع پر ہُوئی۔ آپؐ نے مدینۂ منورہ کے دفاع کے لیے صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا کہ اہلِ فارس ایسے موقع پر اپنے

Marfat.com

شہروں کے اردگرد خندقیں کھودلیا کرتے ہیں۔ اگر مناسب ہو تو اس پر عمل کر لیا جائے۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔ خندق کھودنے کا حکم دیا اور جب خندق کھودی جارہی تھی تو آپؐ کدال اٹھائے خندق کھودنے والوں میں بنفسِ نفیس شامل تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دوسرے علوم کی طرح دفاع اور جنگ کی سائنس کے سلسلے میں بھی کوئی تعصّب نہیں رکھتا۔ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن اذا وجدھا اخذھا۔ اچھی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ وہ اسے جہاں بھی پاتا ہے حاصل کرتا ہے۔ پس قرآن وحدیث کے ان ارشادات کی روشنی میں لازم ہے کہ ہماری افواج جدید تربیت اور اسلحہ سے لیس ہوں اور عام لوگ سول ڈیفنس کی ٹریننگ حاصل کریں تاکہ وقت آنے پر دشمن کے عزائم کو خاک میں ملایا جاسکے۔

Marfat.com

تدبّرِ قرآن

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اگر یہ کلام خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے۔

(پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۸ آیت نمبر ۸۲

نزولِ قرآن کے وقت بھی اور اس کے بعد منکرینِ رسالت اس شُبہ میں مبتلا تھے کہ قرآن کلامِ الٰہی نہیں۔ یہ رسولِ خدا کی اپنی تصنیف ہے خود اس دَور میں بہت سے "روشن خیال" لوگ اس وسوسے کا شکار ہیں۔ اس آیتِ پاک میں انہی متشککین کے شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے۔

روزمرّہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ انسان ذراسی بات کرتا ہے تو اس میں بھی ناہمواری پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی حصّہ زیادہ فصیح و بلیغ ہوتا ہے تو کوئی کمزور طبیعت غصّے میں ہو تو لفظوں سے بھی بے احتیاطی ٹپکنے لگتی ہے۔ ذہنی ارتقاء کے باعث چند سالوں کی تحریر و تقریر میں معنوی اعتبار سے تفاوت اُبھر آتے ہیں لیکن اللہ کا کلام ان تمام عیوب سے پاک صاف ہے۔ لفظی، معنوی، علمی، ادبی کسی پہلو سے اس میں کہیں کوئی جھول نہیں۔ فرمایا اگر قرآن کلامِ بشر ہوتا تو ۲۳ سال کے زمانۂ نزول میں اس میں اختلافِ کثیر نظر آتا لیکن آؤ اسے ہر پہلو سے جانچ پرکھ کر دیکھ لو۔ فصاحت و بلاغت سے لے کر مضامین تک، اس میں کہیں کوتاہی نہیں پاؤ گے

Marfat.com

اور تنہا یہی ایک دلیل اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ قرآن انسان کا کلام ہے یا خدائے رحمٰن کا۔

فرمایا۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ" یہ لوگ قرآن میں کیوں غور نہیں کرتے، اگر یہ قرآن میں تدبّر کریں تو اس طرح کے شکوک آپ سے آپ ختم ہو جائیں۔ معلوم ہُوا کہ قرآن میں تدبّر کرنا پختگیٔ ایمان کے لیے بہت ضروری ہے قرآن محض تلاوت کرنے، خوبصورت غلافوں میں لپیٹ کر طاقچوں پر رکھنے اور بوسہ دینے کے لیے نہیں ہے۔ یہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ ہم اس کے الفاظ و معانی پر تدبّر کر کے اپنے فکر و عمل کو منور کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

اچھی اور بُری سفارش

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ○

جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کو اس میں سے حصّہ ملے گا اور جو کوئی بُری سفارش کرے گا اس کا بوجھ اس پر بھی ہوگا اور اللہ ہر چیز کی طاقت رکھنے والا ہے۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۸ آیت نمبر ۸۵

سفارش جدید سوسائٹی میں ایک ناگزیر عمل کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ مگر اکثر لوگ اس کے حدود و قیود سے نا واقف ہیں۔ اس آیتِ پاک میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فرمایا۔ جہاں تک کسی نیک اور اچھے کام کی سفارش کا تعلق ہے۔ یہ ایک اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ اسی طرح جو آدمی مستحق ہو اس کا حق دلانے کے لیے کوشاں ہونا بھی خدا اور اس کے رسول کے نزدیک ایک اچھی سفارش کے مصداق ہے۔ اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا کرنا بھی نیک سفارش ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے غیاب میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں — لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی کام کی سفارش کرنے پر معاوضہ لینا فقہائے اسلام کے نزدیک نا جائز ہے۔

Marfat.com

یہ کارِ خیر تو بس للہ فی اللہ ہونا چاہیئے۔

پھر فرمایا کہ جو کوئی کسی بُرے کام کی سفارش کرے گا یا اس کا ذریعہ اور وسیلہ بنے گا تو وہ بھی اس بُرائی میں برابر کا شریک ہوگا اور اس شخص کے نامۂ اعمال میں بھی برائی لکھی جائے گی۔ جو کسی کام کے لیے ایک غیر مستحق یا بُرے آدمی کے لیے اپنے اثر و رسُوخ کو استعمال کرتا ہے ایک حق دار شخص کو اس کے حق سے محرُوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مفسرینِ کرام نے لکھا ہے کہ چغلی کھانا بھی حقیقت میں بُری سفارش کرنا ہے کیونکہ چغلی کھانے والا دو مسلمان بھائیوں کے تعلقات کو بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک دفعہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا۔ میں تمھیں بتاؤں کہ سب سے بُرے لوگ کون ہیں؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا۔ "جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں کے آپس کے تعلقات خراب کرتے ہیں۔"

Marfat.com

سلام کے آداب

وَاِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ○

اور جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا اسی کو لوٹا دو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۸ آیت نمبر ۸۶

اس آیت میں سلام کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام نے سلام کے جو الفاظ سکھائے ہیں دنیا میں کوئی دوسری تہذیب اور کوئی دوسری قوم ان الفاظ کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ دوسری قوموں اور مذاہب کے سلام زیادہ سے زیادہ صبح دوپہر شام اور رات کے بخیریت گزر جانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں لیکن اسلام جو سلامتی کا دین ہے اور جس کے لغوی مفہوم ہی میں سلامتی ہے۔ اس سے کہیں آگے بڑھ کر سلام کی صورت میں ایک ایسی دعا عطا کرتا ہے جو ہمارے دنیوی اور اُخروی ہر قسم کے فوز و فلاح کی جامع ہے یعنی السلام علیکم۔ تم پر سلامتی ہو جسمانی عوارض اور دکھ درد کے اعتبار سے بھی اور سلامتی ہو تم پر روحانی نشوو ارتقا کے لحاظ سے بھی۔ اور پھر سلام تو ایک فرد پر کیا مگر صیغہ جمع کا استعمال کرتے ہوئے علیکم کہا یعنی تم سب پر، تمام اہل ایمان پر سلامتی کا نزول ہو۔

شریعت نے سلام کے جو قواعد مرتب کیے ہیں ان کی رُو سے سوار کو چلنے والے پر، چلنے والے کو بیٹھے ہوئے پر، کم تعداد کو زیادہ پر اور چھوٹے کو بڑے پر سلام کہنا

Marfat.com

چاہیئے۔ اسلام اس معاملے میں اتنا فراخ دل ہے کہ وہ ایک مسلمان کی طرف سے کافر کو سلام کرنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ افضل اور مسنون یہ ہے کہ سلام کرنے میں پہل کی جائے۔ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو سلام میں پہل کرتا ہے وُہ کبر سے بری ہے۔

فرمایا۔ یہ نہ سمجھو کہ سلام وغیرہ تو جزوی امور ہیں۔ ان کا حساب کتاب کیسا۔ نہیں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ حَسِیۡبًا۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اس لیے تمھارا فرض ہے کہ تم چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کی رضا کو پیشِ نظر رکھو۔

Marfat.com

قتلِ مومن

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○

اور جو کوئی کسی مومن کو ارادۃً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اس پر لعنت کریگا اور اس کے لیے عذابِ عظیم تیار کر کے رکھے گا۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۱۰ آیت نمبر ۹۳

اس آیتِ کریمہ میں مومن و مسلم کے قتلِ عمد کی سزا بیان کی گئی ہے۔ ایک ہے قتلِ خطا، ایک ہے قتلِ عمد۔ قتلِ خطا یہ ہے کہ بغیر ارادے کے نادانستہ بھولے سے کسی کو قتل کر دیا جائے۔ جیسے گولی شکار کے لیے چلائی مگر غلطی سے کسی مسلمان بھائی کو جا لگی۔ قتلِ عمد اس کے برعکس خوب ارادے اور شعور کے ساتھ جانتے بوجھتے ہوئے قتل کرنے کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں ایک مسلمان کے قتلِ عمد کی جو سزا بیان کی گئی ہے اس پر غور کیا جائے تو بلاشبہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پورا قرآنِ حکیم پڑھ جائیے، کفر و شرک کے سوا اتنی سخت وعیدیں یکجا آپ کو کسی دوسرے جرم کے لیے نہیں ملیں گی۔ پہلے فرمایا۔ فجزاؤہٗ جہنم۔ اس کی سزا دوزخ ہے۔ پھر فرمایا۔ خالدًا فیہا اس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا۔ پھر فرمایا۔ وغضب اللہ علیہ ولعنہ اس پہ اللہ کا غضب نازل ہوتا اور اس کی لعنت برستی ہے اور اس پر بس نہیں آگے فرمایا اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا

Marfat.com

عَظِیْماً۔ اور اللہ تعالیٰ نے قاتل کے لیے عذابِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ عذاباً عظیماً عربی زبان کے قواعد کی رُو سے نکرہ ہے۔ یعنی ایسا عذابِ عظیم جو حدِ تعیّن میں نہیں آتا اور جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اس پر مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو اس کے ایمان کی بنا پر قتل کر دے تو یہ کفر ہے لیکن دُوسری صُورت میں یہ گناہ شرک کے بعد اکبر الکبائر ہے یعنی تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا کبیرہ گناہ۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خُون کے مقدمے فیصل ہوں گے اور حضور نبیِ اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ قتلِ مسلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری دُنیا کے فنا ہو جانے سے زیادہ شدید ہے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اہلِ ایمان کو اس جُرمِ عظیم سے محفوظ رکھے۔

Marfat.com

سرگوشیاں نہ کرو

لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ○

سرگوشیاں بہت سی ایسی ہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں. البتہ بھلائی یہ ہے کہ کوئی صدقہ کی ترغیب دے، یا کسی اور نیک کام کی، یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی اور جو کوئی اللہ کی رضا حاصل کرنے کو ایسا کرے گا سو ہم اس کو عنقریب اجرِ عظیم عطا کریں گے۔

پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۱۶ آیت نمبر ۱۱۴

امام الانبیاء فخر المرسلین سید البشر حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کا ایک عظیم مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اخلاقی لحاظ سے بنی نوعِ انسان کو معراجِ کمال تک پہنچا دیں۔ خود ارشاد فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مکارم الاخلاق میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ میں اخلاقی فضائل و محاسن کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچا دوں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی تعلیمات اخلاقیات کا مکمل احاطہ کرتی ہیں اور اس بات میں باریک سے باریک جزیہ کو بھی تشنہ نہیں چھوڑتیں۔

اس آیتِ پاک کو لے لیجیے اس میں اخفاء کے ساتھ سرگوشی کرنے کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا اکثر و بیشتر خفیہ سرگوشیاں شرِ محض ہوتی ہیں۔ ان میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی بلکہ اسلام نے تو اس بات کو آدابِ مجلس میں شامل فرمادیا ہے کہ اگر کسی جگہ

Marfat.com

تین آدمی جمع ہوں تو ان میں سے دو آدمی اپنے تیسرے ساتھی کو چھوڑ کر الگ سرگوشی نہ کریں کہ اس سے شک وشبہ پیدا ہونے اور دل آزردہ ہونے کا احتمال ہے۔ اسی طرح بلاتحقیق خفیہ طریق پر افواہیں پھیلاتے پھرنا اور غیر مصدقہ اطلاعات کی اشاعت کرنا بھی ناجائز ہے بلکہ یہاں تک فرمایا کہ ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ ایک بات سُنے اور پھر تحقیق کیے بغیر اسے آگے بیان کرنا شروع کر دے۔ ہاں البتہ چند صُورتوں میں خفیہ سرگوشی کی اجازت عطا فرمائی۔ صدقہ وخیرات ہیں کہ اس میں اخفاء زیادہ مناسب ہے۔ کسی کو نیکی کی نصیحت کرنے میں تاکہ دُوسرے نہ سُن سکیں اور اس کی دلآزاری نہ ہو اور دو آدمیوں کے درمیان مصالحت کی غرض سے بلکہ اس میں تو جھوٹ تک کی اجازت دے دی، اگر اس سے فریقین کی غلط فہمیاں رفع ہو سکیں۔

آخر میں شرط لگا دی کہ یہ سب کچھ رضائے الٰہی کی غرض سے ہونا چاہیئے۔ فرمایا اگر ایسا ہُوا تو اللہ تعالیٰ ان باتوں کا بھی اجر عطا فرمائے گا۔

Marfat.com

سچّی شہادت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو۔ چاہے وہ تمھارے یا تمھارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

پارہ نمبر ۵۔ رکوع نمبر ۱۷ آیت نمبر ۱۳۵

عدل و انصاف اسلام میں بڑی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ عدل خود اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کے ننانوے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس لیے قرآنِ کریم میں بار بار اہلِ ایمان کو عدل پر قائم رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

عدل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو آدمی کسی کی دشمنی میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یا دوستی اور قرابت کی وجہ سے ناجائز رعایت کرتا ہے مگر قرآن اور قرآن کے لانے والے نے دوستی اور دشمنی کا مفہوم ہی بدل دیا۔ فرمایا الحب للہ والبُغضُ للہ اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے دشمنی تمھارے تعلقات کا سرِعنوان ہونا چاہیئے۔ اس وقت بھی انصاف سے کام لو جب دشمنی کے باعث عقل کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہو اور اس وقت بھی حق و دیانت پر قائم رہو جب دوستی اور قرابت کے خیال سے جادۂ عدل پر قدم کو بار بار لغزش ہونے لگتی ہے۔ عدل و انصاف کے معاملے میں گواہی کا ایک خاص مقام ہے۔ فرمایا تمھاری گواہی صرف اور صرف خدا کے لیے ہونی چاہیئے۔ ہمیشہ

Marfat.com

سچّی گواہی دو خواہ یہ تمھارے رشتہ داروں تمھارے ماں باپ بلکہ خود تمھاری اپنی ذات کے بھی خلاف کیوں نہ پڑتی ہو۔ اسلام کا مزاج گواہی کے معاملے میں اتنا نازک اور حسّاس ہے کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہادتِ زُور یعنی جھوٹی شہادت کو شرک جیسے عظیم ترین گناہ کے ساتھ شمار کیا ہے۔ جھوٹی گواہی میں خدا کا نام لینے اور قرآن کا حلف اٹھانے کا تو ذکر ہی کیا۔ اگر مسلمان تعلیمِ قرآنی پر عمل کرنے لگیں تو ان کے ہاں حلف کے بغیر بھی غلط گواہی دینے کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عدل و انصاف پر قائم رہنے اور زندگی کے ہر معاملے میں سچّی شہادت دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

Marfat.com

عیب جوئی

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط
وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ○

نہیں دوست رکھتا اللہ پکار کر کہنا بری بات کو مگر جو کوئی ظلم کیا جاوے اور ہے اللہ سننے والا جاننے والا۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۱ آیت نمبر ۱۴۸

اس آیت کریمہ سے قبل کا سلسلۂ کلام یہ ہے کہ پیچھے بیان منافقین کا ہو رہا تھا۔ حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ کسی شخص خاص کے پیچھے پڑ کر اسے منافق نہ کہا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند ہی نہیں کرتا کہ کسی کی عیب جوئی کی جائے یا کسی کی بُری بات کو اس کے سامنے یا اس کے پس پشت پھیلایا جائے۔ اِلَّا یہ کہ کوئی دینی مصلحت اور ضرورت اس کی متقاضی ہو۔ جیسے کوئی مظلوم ہو اور وہ اپنے اُوپر ہونے والے ظلم کی شکایت کرنے پر مجبور ہو جائے۔

کسی شخص کی بدگوئی کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی برائی ایسی جگہ بیان کی جائے جہاں دُوسرے لوگوں کے ساتھ وہ خود بھی موجود ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خود موجود نہ ہو اس کی بُرائی اس کی پیٹھ پیچھے بیان کی جائے۔ شریعت نے ان دونوں ہی صورتوں کو حرام اور ناجائز ٹھہرایا ہے۔ عام طور پر لوگ کسی کا عیب بیان کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں یہ بات اتنی ناقابلِ تردید ہے کہ میں اسے شخص متعلقہ کے منہ پر کہنے کو تیار ہوں۔ حالانکہ اتنی سی بات کہہ دینے سے یہ حرام حلال نہیں ہو جاتا۔ شریعت

Marfat.com

نے جس چیز کو غیبت کہہ کر گناہِ کبیرہ ٹھہرایا ہے، وہ یہی تو ہے کہ کسی شخص میں واقعی کوئی عیب اور خرابی ہو اور اسے اس کی عدم موجودگی میں بیان کیا جائے اگر کسی میں وہ برائی موجود ہی نہ ہو جس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، تو غیبت نہیں یہ بہتان ہے اور قانونِ شریعت میں اس کے لیے باقاعدہ سزا مقرر ہے۔

یہ غیبت اللہ تعالیٰ کو جتنی ناپسند ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قرآنِ حکیم نے اسے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ گناہ شرک سے بھی بدتر ہے کیونکہ شرک توبہ کے بعد معاف کر دیا جاتا ہے لیکن غیبت کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک خود اس شخص کو راضی نہ کر لیا جائے جس کی غیبت کی گئی۔

Marfat.com

ثمن قلیل

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

"بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو قلیل قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۱۶ آیت نمبر ۷۷

اس آیت کریمہ میں ایفائے عہد اور معاملات میں صفائی اختیار کرنے کی زبردست تاکید کی گئی ہے۔ گو سیاق و سباق کے لحاظ سے اشارہ اس میں عہد رسالت کے اہل کتاب کی طرف ہے لیکن ضمناً اہل ایمان بھی اس کے مخاطب ہیں اور قرآن حکیم نے اس سلسلے میں انھیں بھی درس اخلاق دیا ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی انسان حرص و آز میں مبتلا ہوتا اور کسی لالچ اور طمع کا شکار ہوتا ہے اس وقت نہ اسے خدا سے استوار کیا ہوا عہد یاد رہتا ہے نہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مقصد ہی باطل ہے جس کے لیے وہ قسموں پہ قسمیں کھائے جا رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس صورت حال کو ثمن قلیل یعنی تھوڑی سی قیمت کے عوض دین فروشی سے

Marfat.com

تعبیر کیا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اس کے عہد اور قسموں اور اس کی دیانت اور امانت کے بدلے میں بہت بھاری قیمت پیش کی جا رہی ہو تو اس وقت ایسا کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں مطلب یہ ہے کہ احکامِ خداوندی کو توڑنے اور اپنی دیانت کو فروخت کرنے کے لیے جس قیمت پر بھی سودا کیا جائے وہ ثمنِ قلیل ہے تھوڑی قیمت ہے کیونکہ حقیقت میں تو پوری کائنات بھی اس متاعِ عزیز کا بدل نہیں بن سکتی۔

فرمایا جو کوئی ایسا کرے گا اس کے لیے عذاب کی زبردست وعید ہے۔ ایک تو ایسا شخص فوائدِ اُخروی سے قطعاً محروم ہے۔ دُوسرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو اسے نگاہِ تلطف سے دیکھے گا نہ شفقت و رحمت سے گفتگو کرے گا نہ اسے اپنے فضل سے گناہوں سے پاک صاف کرے گا بلکہ اسے ایک دردناک عذاب کا مزا چکھنا ہوگا۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ ایک ساتھ اتنی سزاؤں کا ذکر قرآن میں چند ہی جرائم کا آیا ہے اور اسی سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اسلام میں ایفائے عہد، دیانت اور امانت اور جھوٹی قسموں سے احتراز کرنے کی کیا اہمیت ہے۔

Marfat.com

اسلام کا فلسفۂ اخلاق

اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ○

تم کسی بھلائی کو ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کر جاؤ۔ اللہ تو (بہرحال) بڑا معاف کرنے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ا آیت نمبر ۱۴۹

یہ ارشادِ ربّانی بڑا ہی مختصر ہے مگر صاحبِ تفسیر کبیر امام رازیؒ کے بقول اس میں اسلام کے فلسفۂ اخلاق کا نچوڑ سمٹ آیا ہے۔

اس آیت میں نیکی کے تین مرتبے اور درجے بیان کیے گئے ہیں۔ ان تبدوا خیرًا۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان نے نیکی کی اور چونکہ داد پانے کی خواہش ایک حد تک طبعی اور فطری ہے اس لیے لوگوں سے داد حاصل کرنے کے لیے اس کا اظہار اور اعلان کر دیا۔ نیکی یہ بھی ہے مگر مبتدیانہ اور ہلکی قسم کی۔ اس کے بعد فرمایا او تُخْفُوْهُ۔ دُوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نیکی کی جائے اور لوگوں سے داد کی خواہش ہی نہ رکھی جائے۔ اسے ان کے علم میں آنے ہی نہ دیا جائے۔ فقط رضائے الٰہی ہی مقصود و مطلوب ہو۔ پھر فرمایا تعفوا عن سُوء۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بُرا چاہنے والوں کے ساتھ نیکی کی جائے۔ وہ دُکھ پہنچائیں اور اسے نظر انداز کر دیا جائے، وہ تکلیف دیں اور معاف کر دیا جائے نیکی کا یہ تیسرا درجہ سخت ترین مشکل اور نفس کے لیے سخت ناگوار ہے، اور اس پر وُہی فائز ہوتا ہے جو اپنی انا کو مشرف باسلام کرلے۔ فرمایا اگرچہ نیکی کا یہ مقام بہت

Marfat.com

اونچا ہے۔ مگر تمھیں یاد رہے کہ عفو و درگذر خود خدائے قدوس کی صفت ہے۔ وہ عَفُوٌّ ہے معاف کر دینے والا ہے! اور قدیر ہے طاقت رکھنے والا ہے اور طاقت رکھنے کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔ تو جب اس کی یہ صفت ہے تو بندے کا کمال یہی ہے کہ اپنے آپ کو اس رنگ میں رنگ لے اور شر کا بدلہ خیر سے، برائی کا بدلہ اچھائی سے اور گالی کا بدلہ دعا سے دے۔

Marfat.com

عہد کی پابندی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ

اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔

پارہ نمبر۶ آیت نمبر۱ رکوع نمبر ۵

عقد عربی زبان میں گرہ کو کہتے ہیں۔ جب کوئی عہد کیا جاتا ہے تو گویا گرہ سی بندھ جاتی ہے اور اس کا کھلنا اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ عہد پورا کر دیا جائے۔ اس آیتِ پاک میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اے اہلِ ایمان! اپنے عہدوں کو پورا کرو خواہ یہ عہد تم نے خالق سے کیے ہوں خواہ مخلوق سے۔

ہمارے ہاں عام طور پر عہد کو قول و قرار ہی کے معنی میں لیا جاتا ہے حالانکہ اس کا دائرہ بیحد وسیع ہے۔ یہ عبادات معاملات اور اخلاق و معاشرت کی ان تمام صورتوں پر مشتمل ہے جن کی پابندی عقلاً و شرعاً یا قانوناً ہر انسان پر واجب ہے۔ کسی کی امانت کو وقت پر ادا کر دینا معاملاتی حیثیت سے ایک عہد ہے اسی طرح قانوناً یا رواجی طور پر جو وزن یا پیمانہ مقرر ہو جاتا ہے وہ بھی حقیقت میں گاہک اور خریدار کے درمیان ایک عہد ہے جس کی پابندی دونوں پر لازم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عہد کے لیے زبانی قول و قرار کی ضرورت نہیں بلکہ سوسائٹی کے تمام مشہور و معروف مسلّمات آپ سے آپ عہد کی تعریف میں شامل ہو جاتے ہیں۔

عہد کی تین قسمیں ہیں :

پہلا عہد وہ ہے جو انسانوں نے روزِ ازل اپنے رب سے باندھا تھا۔ اس نے

Marfat.com

پوچھا تھا الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے جواب دیا تھا بلیٰ کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔

دُوسرا عہد وہ ہے جو قسم کھا کر یا بغیر قسم کھائے قول و قرار کر کے کیا جاتا ہے اور تیسرا عہد وُہ ہے جو فطری طور پر ایک دوسرے پر مختلف حقوق رکھنے والے لوگوں کے درمیان آپ سے آپ قائم ہے۔

ان تمام عہدوں کی بجا آوری ہر مومن و مسلم کا شرعی فریضہ ہے یہاں تک کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ارشاد ہے "جس میں عہد نہیں اس میں دین نہیں"۔

وہ اہمیّت اس کو دیتا ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ کیا ہے۔ سیّدنا علی مرتضیٰؓ کا ارشاد ہے کہ یہ نہ دیکھو کہنے والا کون ہے یہ دیکھو کہ کہہ کیا رہا ہے۔ بے تعصبی اور فراخ دلی کی انتہا یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک سے ان کے دور کے یہود و نصاریٰ کو کہلایا کہ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم آؤ ہم تم سب اس بات پر متحد ہو جائیں جو ہمارے تمہارے درمیان ایک امرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس سے معلوم ہُوا کہ عالمگیر اور بین الملی اور بین الاقوامی معاملات سے لے کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف دوائر تک اہلِ ایمان کے لیے تعاون و عدمِ تعاون کا اصل معیار اچھائی اور برائی اور خیر و شر ہے۔ وہ مستقلاً کسی کے مخالف نہیں، اچھی بات جو بھی پیش کرے گا وہ اس کا ساتھ دیں گے اور بُری بات جس سے بھی سرزد ہو وُہ اس معاملے میں اس کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔

Marfat.com

تعاون کی بُنیاد

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۞

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دُوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دُوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۲

آیتِ قرآنی کا یہ ٹکڑا دیکھنے میں بہت چھوٹا ہے۔ مگر مفہوم و معنی کے اعتبار سے اس میں دینِ متین کی پوری رُوح سمٹ آئی ہے۔ تعاون کس سے کیا جائے اور کس سے نہ کیا جائے۔ انفرادی اور قومی زندگی میں ساتھ دینے اور نہ دینے کے سلسلے میں راہنما اصُول کیا ہو؟ اور سیاست میں اربابِ اقتدار سے اختلاف کن معاملات میں کیا جائے؟ ان سارے ہی امور پر اس آیت سے خوب روشنی پڑتی ہے۔

آج کی مہذب اور روشن خیال دنیا میں اپنی قوم اور اپنی پارٹی حق و باطل کا معیار ہے ایک فرد اسی موقف کی تائید کرے گا، جو اس کی قوم اور اس کی جماعت کا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ ظلم پر مبنی ہے یا عدل پر لیکن اسلام اس کے برعکس ایک اور ہی انداز کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے نزدیک نیکی اور اچھائی کے کاموں میں اپنی پارٹی بلکہ اپنی قوم کی سطح سے بھی بلند

Marfat.com

ہوکر ہر ایک سے تعاون کرنا چاہیے۔ اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں کسی کا ساتھ نہ دینا چاہیے۔ خواہ اس کا ارتکاب کرنے والا اپنا ہی دوست رشتہ دار اور ہم مسلک کیوں نہ ہو۔ وہ اس کو اہمیت نہیں دیتا کہ کہنے والا کون ہے۔

Marfat.com

کامل ضابطۂ حیات

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بہ طور دین کے پسند کر لیا۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۳

یہ آیتِ پاک قرآنِ حکیم کی ایک مشہور آیت ہے۔ اس آیت کے نزول سے ٹھیک دو ماہ اکیس دن بعد حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحلت فرما گئے۔ حقیقت میں اسی آیت میں آپؐ کے وصال کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت سُنائی گئی، تو بعض رازدارانِ نبوّت رونے لگے۔ پوچھا گیا کہ موقع تو خوشی کا ہے کہ اس میں دین کے کامل ہونے کا مژدہ سُنایا گیا ہے۔ پھر یہ رونا کیسا ہے؟ کہا جب دین مکمل ہو گیا تو معلوم ہوا کہ رسُولِ خدا کا مشن پورا ہو چکا اور اب وہ زیادہ مدت تک ہمارے درمیان موجود نہیں رہیں گے۔

اس ارشادِ ربّانی میں دین کے مکمل ہونے کی خوشخبری سُنائی گئی ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے اتمامِ نعمت ٹھہرایا ہے۔ جہاں تک دینِ خداوندی کا تعلق ہے وہ تو انسانِ اوّل سے دُنیا میں موجود رہا لیکن ہر دور میں، ہر ملک میں، ہر قبیلے میں اس کے احکام بدلتے رہے۔ جیسے انسان پہلے بچّہ ہوتا ہے تو دُودھ پیتا ہے، دانت نکالتا اور گھٹنوں چلنے لگتا ہے تو اس کی خوراک میں قدرے تبدیلی آجاتی ہے پھر لڑکپن میں آکر اس کے تقاضے

Marfat.com

بدل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوان ہوتا ہے اور اس عمر کے تقاضے اور مطالبے بھی شباب پر آجاتے ہیں یہی حال نوعِ انسانی کا تھا وہ شروع سے ٹکڑوں اور قبیلوں میں بٹی رہی۔ یہ ذہنی اور مادّی اعتبار سے اس کے لیے بچپن کا زمانہ تھا اس کے تقاضے کچھ اور تھے نبی اور رسُول آئے مگر اپنے اپنے دور اپنی اپنی قوم کے لیے آئے۔ یہاں تک کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا زمانہ آگیا۔ اسی زمانہ سے وحدتِ انسانی کا آغاز ہوتا ہے یہیں سے گویا انسانیّت کا عالمِ شباب شروع ہوتا ہے۔ مُلک مُلک قبیلہ قبیلہ ایک دوسرے سے مربُوط ہُوا۔ ذرائع آمد و رفت پیدا ہونے لگے۔ انسانی ذہن نکتۂ ارتقاء کو پہنچ گیا۔ یہ وقت تھا کہ دین کو مکمل اور عالمگیر قرار دیا گیا۔ انسانی زندگی کی فلاح و صلاح کے لیے ایسے بُنیادی اصُول دئیے گئے، جو قیامت تک اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہوں اور نئے نئے مسائل انہی کی روشنی میں حل کیے جاسکیں۔ یہی تکمیلِ دین ہے اور یہی اتمامِ نعمت۔ اس کے بعد اب نہ کسی نبی کی ضرورت ہے نہ اسلام کے سوا کسی دُوسرے دین کی۔

مولانا محمد علی جوہر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

جب اپنی پُوری جوانی پہ آگئی دُنیا
تو زندگی کے لیے آخری نظام آیا

Marfat.com

میثاقِ ازل

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کر لیا کرو اور اس کے عہد کو بھی جس کا اس نے تم سے معاہدہ کیا ہے جب تم نے کہا کہ ہم نے سُن لیا اور مان لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سینوں کے اندر تک کا علم رکھتا ہے۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۷

اس آیت میں میثاق یعنی عہد سے کیا مراد ہے۔ اس میں مفسرینِ کرام کے دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اس عہد سے مراد وُہ عہد ہے جو ازل کے دن اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے لیا تھا۔ قرآنِ حکیم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو اکٹھا کر کے سوال کیا الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہُوں۔ ان سب نے کہا بلیٰ کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ سوال و جواب باقاعدہ زبانِ قال ہی سے ہوئے ہوں۔ یہ زبانِ حال سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اتنا بہر حال طے ہے کہ یہ پیمان ازل کے روز ہر روح نے باندھا ضرور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ توحید کا عقیدہ انسانی فطرت کی آواز معلوم ہوتا ہے۔ بھُولنے والا خدا کو کتنا ہی کیوں نہ بھُول جائے مگر زندگی میں کسی نہ کسی موڑ پر اسے اپنے رب کی یاد آ ہی جاتی ہے اور حقیقت میں یہ اسی میثاقِ ازل کا ظہور ہے۔

دُوسرا قول یہ ہے کہ یہاں میثاق سے مراد وُہ عہد ہے جو ہر مسلمان اسلام قبول کرتے

Marfat.com

وقت کرتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ کو یہ سہولت اور سعادت حاصل تھی کہ وہ یہ عہد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کی صورت میں کرتے تھے اور عام مسلمان کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے اطاعتِ احکام کی صورت میں یہ عہد کرتے ہیں۔

بہرحال عہد کوئی سا بھی مراد ہو۔فرض ہر انسان کا یہ ہے کہ اپنے میثاقِ ازل کو یاد کرے اور خدا ناشناسی کی زندگی گزارنے کے بجائے خدا شناسی اور خدا خوفی کی زندگی گزارے اور فرض ہر مسلمان کا یہ ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھتے وقت اس نے خدا اور رسول کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اسے کھلے چھپے کسی مرحلہ پر فراموش نہ کرے۔ اور خوب جان لے کہ معاہدہ اس علیمٌ بذات الصدور سے ہے جو ہمارے اعمال ہی کو نہیں ہماری نیتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

Marfat.com

ناانصافی نہ کرو

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا
هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

اور کسی جماعت کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم اس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو۔ انصاف کرتے رہو۔ یہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کو اس کی پوری خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۸

معاملات میں ناانصافی کے اسباب عموماً دو ہی ہوتے ہیں یا تو آدمی کسی کی رورعایت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتا ہے یا پھر کسی کی عداوت و مخالفت میں جادۂ عدل سے ہٹ جاتا ہے۔ اس آیت میں اس دوسرے سبب کو سامنے رکھ کر عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فرمایا ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ کسی گروہ کی دشمنی کی وجہ سے تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ تمھیں دشمنی کے باوجود عدل کرنا چاہیے کیونکہ تقویٰ اور خدا خوفی کا تقاضا یہی ہے۔ یہ حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا مخالف گروہ کافروں کا ہوگا۔ مطلب یہ نکلا کہ مسلمان تو مسلمان ہیں کافروں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کمی نہ کرو۔ کفر کوئی شبہ نہیں سب سے زیادہ مبغوض اور قابلِ نفرت چیز ہے لیکن اس کی وجہ سے

Marfat.com

احترامِ آدمیت کے تقاضے ختم نہیں ہو جاتے۔ آدمی پھر آدمی ہے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر اور اس کا آدمی ہونا ہی اس بات کے لیے بہت کافی ہے کہ اس کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی نہ کی جائے۔ عدل اور انصاف کیا جائے۔ مفسرینِ کرام نے اس آیتِ پاک کی تفسیر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ وہ قانون جو اپنے باغیوں اور دشمنوں تک کے ادائے حقوق پر یُوں زور دیتا ہے کیسے برداشت کرے گا کہ کفر سے کم تر کسی گناہ یا کسی اختلافِ رائے کے باعث مسلمان آپس ہی میں ایک دُوسرے کے گریبانوں سے کھیلنے لگیں۔ اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو فراموش کر بیٹھیں۔

آخر میں فرمایا یہ ٹھیک ہے کہ بسا اوقات اپنے جذبات پر قابو پانا اور عدل کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن واتقوا اللہ اللہ سے ڈرتے رہو اگر اللہ کا خوف تمھارے دلوں میں جاگزیں رہا تو منزلِ حیات کے مشکل سے مشکل مرحلے بھی تمھارے لیے آسان ہوتے چلے جائیں گے۔

Marfat.com

ایمان اور عمل

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

جو لوگ کہ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے اللہ نے ان سے وعدہ کرلیا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۹

اسلام میں ایمان اور عمل کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ایک کو اگر درخت تصوّر کرلیا جائے تو دوسرا اس کا پھل ہے ایک کو اگر پھول قیاس کرلیں تو دوسرا اس کی خوشبو ہے اور ایک اگر جسم کی مانند ہے تو دُوسرا اس کے لیے روح کی حیثیت رکھتا ہے۔پورے کا پورا قرآن حکیم دیکھ لیجیے، ایمان اور عملِ صالح کا ذکر آپ کو ایک ساتھ ملے گا۔حق تعالیٰ نے جتنے وعدے کیے ہیں وہ دونوں کے ساتھ مشروط ہیں۔نہ تنہا ایمان اس کے ہاں مطلوب ہے نہ تنہا عمل۔ اگر عمل ایمان کے بغیر ہے تو کفر و نفاق ہے اور اگر ایمان عمل کے بغیر ہے تو حالتِ فسق ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ دل کی کھیتی میں ایمان کا بیج بویا جائے اور وُہ عمل کے برگ و بار نہ لائے اور عمل بلا ایمان کا درخت برگ و بار لائے اور اس کے کانٹے دامنِ حیات کو تار تار نہ کریں۔

اس آیتِ کریمہ کو دیکھ لیجیے اس میں بھی قرآن کے اسلوبِ خاص کے مطابق ایمان اور عملِ صالح دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ انھیں مغفرت سے نوازے گا ان کی چھوٹی موٹی غلطیوں کو معاف کردے گا اور دُنیا و آخرت دونوں جگہ انھیں ان کے

Marfat.com

اعمال کا نیک صلہ عطا فرمائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرمِ خاص ہے کہ اس نے اپنے انعام کے لیے وعدہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس میں خاص زور پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا، کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ٹل جائے وہ ہر حال میں پورا ہو کر رہے گا۔

ضرورت یہ ہے کہ اس ارشادِ ربّانی کی روشنی میں ہم انفرادی اور اجتماعی حیثیات سے اپنا جائزہ لیں، اور کوشش کریں کہ جہاں ایمان کی نعمت ارزانی ہوئی ہے وہیں عملِ صالح کی دولت سے بھی مالا مال ہوں۔ کیونکہ جس طرح تنہا عمل سے دنیا تو ملتی ہے آخرت نہیں ملتی۔ اسی طرح تنہا ایمان سے کسی نہ کسی درجہ میں عاقبت تو سنور سکتی ہے دنیا نہیں سنور سکتی۔

Marfat.com

احسانِ عظیم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے یاد کرو جب ایک قوم کے لوگوں نے ٹھان لی تھی کہ تم پر اپنے ہاتھ دراز کریں لیکن اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھیں۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۱۱

اس آیتِ پاک میں جس قوم کا ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق متعین طور پر کچھ کہنا مشکل ہے کہ وہ کون سی قوم تھی بعض مفسرین کے نزدیک یہ قریش کے لوگ تھے جو شروع ہی سے اسلام کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے، اور بعض کے نزدیک یہ یہودی تھے۔ جن کی دولت اور ذہانت کا سب سے بڑا مصرف عہدِ رسالت میں یہی طے پا چکا تھا کہ اسے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے وقف کر دیا جائے۔ بہرحال قوم کوئی سی بھی مراد ہو اللہ تبارک و تعالیٰ اہلِ ایمان کو اپنا یہ احسانِ عظیم یاد دلا رہا ہے کہ کس طرح ایک طاقتور قوم تم پر دستِ ستم دراز کرنا چاہتی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے اس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا — فرمایا کہ اب اس فتح مندی اور ظفریابی کے بعد تمھارا فرض یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرتے رہو کہ یہی ہر کامیابی اور فوز و فلاح کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اور

Marfat.com

دوسرے اللہ پر توکل اور بھروسہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم خود پرستی میں مبتلا ہو جاؤ اور اس مسبب الاسباب سے بڑھ کر اسباب کو اہمیت دینے لگو اور اس طرح صراطِ مستقیم سے بھٹک جاؤ۔

اس آیتِ پاک میں اگرچہ خطاب عہدِ رسالت کے مسلمانوں سے کیا گیا ہے مگر ۶ستمبر کی جنگ کے پیشِ نظر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس ارشادِ ربّانی میں ہماری ہی داستان بیان کی گئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ایک طاقتور قوم کے مقابلے میں ہمیں فتح و نصرت عطا فرمائی۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اپنے رب کے اتنے بڑے احسان کے بعد ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تقویٰ اور خدا خوفی کی روش اختیار کریں اور اپنے جملہ معاملات میں غیروں پر بھروسہ کرنے کے بجائے اسی کی ذات پر بھروسہ کریں۔

Marfat.com

انسانیّت کا قتل

مِنْ اَجْلِ ذَالِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْۤ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر یہ مقرر کر دیا کہ جو کوئی کسی کو کسی جان کے عوض یا زمین پر فساد کے عوض کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۹ آیت نمبر ۳۲ کا ٹکڑا

اسلام میں قتل مومن کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا۔ ارشاد ہے کہ جو کوئی جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کر دے گا، اس کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہے گا۔ اس آیت میں تصریح اس بات کی ہے کہ قتلِ مومن پر ہی موقوف نہیں، کسی بھی انسان کا ناحق قتل پوری انسانیّت کو موت کے گھاٹ اتار دینے کے مترادف ہے۔ فرمایا کہ اس امر کو بنی اسرائیل پر بھی ہم نے پوری طرح واضح کر دیا تھا کہ کسی آدمی کو قتل کرنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس نے کسی کو قتل کیا ہو، اور اسے بطورِ قصاص قتل کیا جائے یا وہ فساد فی الارض کا مرتکب ہوا ہو رہزنی وغیرہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب اس نے کیا ہو کہ خود امنِ عامہ کے مفاد میں اس کا قتل کیا جانا ضروری ہو۔ ان دو صورتوں کو بغیر کسی کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے پوری انسانیّت کو قتل کر دیا جائے اور اسی کے بالمقابل کسی کو قتلِ ناحق سے بچانا ایسا ہے جیسے

Marfat.com

تمام بنی نوعِ انسان کو بچا لیا جائے۔

یہ بات کہ کسی ایک آدمی کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے پُوری انسانیّت کا قتل۔ یہ کوئی قانون اور عدالت کی زبان نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک آدمی کا قتل اور پُوری انسانیّت کا قتل ایک برابر ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو ظالم کسی ایک آدمی کو بھی ناحق قتل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، اگر اس کا بس چلے تو اس سے کیا بعید ہے کہ وہ پُوری انسانیّت ہی کو تہِ تیغ کر ڈالے۔

Marfat.com

عدل وانصاف

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان عدل کے مطابق فیصلہ کریں بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

پارہ نمبر۶ رکوع نمبر۱۰ آیت نمبر ۴۲

عربی میں انصاف کے معنی ہیں کسی چیز کو دو برابر حصّوں میں اس طرح بانٹ دینا کہ ان میں ذراسی بھی کمی بیشی نہ ہو۔علم اخلاق کی رو سے اس کا مفہوم یہ ہُوا کہ قول ہو یا عمل زندگی کے ہر معاملے میں ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیئے جس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔ تخلقو باخلاق اللہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا سا اخلاق پیدا کرو۔اور اللہ تعالیٰ کا اخلاق یہ ہے کہ واللہ یقضی بالحق اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ گویا عدلِ عملی اس کی صفتِ خاص ہے واللہ یقول الحق اور اللہ حق بات کہتا ہے گویا عدلِ قولی اس کے اخلاق کی ایک اہم خصوصیّت ہے۔ پس مومنِ کامل وہ ہُوا جو عدلِ عملی اور عدلِ قولی دونوں ہی خصوصیات کا حامل اور جامع ہے۔

اسلام نے عدل وانصاف کا جو حکم دیا ہے۔وہ اخلاق معاشرت وسیاست کے ہر گوشہ کو محیط ہے یعنی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم جاری نہ ہو۔یتیموں کے بارے میں تاکید کی کہ ان کے معاملے میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔

Marfat.com

عائلی زندگی میں یہ اصول دیا، کہ تمھیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔ لین دین کے معاملے میں ہدایت فرمائی۔ کہ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ عدالتی معاملات میں گواہی کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ہوا کہ جھوٹی گواہی سے بچو۔ کہ یہ شرک کی مانند گناہ عظیم ہے۔ مسلمان لڑ پڑیں تو فرمایا ان میں مصالحت کرا دو۔ فرمایا عدالت کی کرسی پر بیٹھو تو کسی کی قرابت کا لحاظ کرو نہ اپنی ذاتی عداوت کو عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ بننے دو۔ اور اس بات کو نظر میں رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور زیادتی کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے، اور عدل و انصاف کرنے والوں سے محبت۔

Marfat.com

جاہ و مال کی محبّت

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ط

سو تم انسانوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کو دُنیا کی متاعِ قلیل کے عوض نہ بیچ ڈالو۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۱۱ آیت نمبر ۴۴

اس آیتِ کریمہ میں علمائے یہود سے خطاب کیا گیا ہے۔ یہ علماء توریت میں آخری نبی کے متعلق پیشگوئیاں پڑھ چکے تھے اور انبیاء کی زبان سے اس آنے والے کی علامتوں اور نشانیوں کی روشنی میں خوب اچھی طرح جانتے تھے، کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی نبی آخر الزمان ہیں۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ دو باتیں ان کے لیے قبولِ حق کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوئیں۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ وہ خدا سے ڈرنے کے بجائے لوگوں سے ڈرتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ اگر ہم نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا اعتراف کر لیا تو اس سے لوگ ناراض ہو جائیں گے اور اس طرح ہماری مقبولیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ جب لوگ ناراض ہو جائیں گے تو ہمارے نذرانے بند ہو جائیں گے، وہ ہمارے حضور جو ہدایا اور تحائف پیش کرتے رہتے ہیں ان کا سلسلہ رک جائے گا دوسرے لفظوں میں یہ لوگ ایک تو حبِّ جاہ کے مریض تھے، دوسرے حبِّ مال کے۔ قرآنِ حکیم نے اپنے اس ارشاد میں ان سے یہی کہا ہے کہ دیکھو! لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ

Marfat.com

سے ڈرو اور چند سکوں کے عوض علم کے حقیقی تقاضوں کو نہ چھپاؤ۔

ہر چند کہ اس آیت میں مخاطب علمائے یہود ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں جو دو امراض بیان کیے گئے ہیں وہ کل بھی پائے جاتے تھے اور آج بھی پائے جاتے ہیں اور یہی دو امراض ہیں جو انسان کی صحتِ روحانی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایک خدا کے بجائے لوگوں سے ڈرنا اور مقبولیّت ختم ہو جانے کے خوف سے حق بات کو چھپانا اور دوسرے نقصان کے اندیشہ سے ضمیر کی آواز پر لبیک نہ کہنا۔ ہر اس آدمی کے لیے جو اپنی اصلاح چاہتا ہے ضروری ہے کہ اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں ان امراض کو سر اٹھانے کا موقع نہ دے۔

Marfat.com

اہلِ ایمان ہی غالب ہوں گے

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا سو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔

پارہ نمبر۶ رکوع نمبر ۱۲ آیت نمبر ۵۶

اس آیتِ کریمہ میں غلبہ سے کیا مراد ہے؟ مفسرینِ کرام نے اس سلسلہ میں تین پہلوؤں سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہ بات تو سب کے ہاں متفق علیہ ہے کہ اس غلبہ کا کامل ظہور آخرت میں ہوگا اور خدا و رسول اور اہلِ ایمان سے دوستی رکھنے والے لوگ اس ہمیشہ کی زندگی میں سربلند وارجمند ہوں گے اور خدا و رسول اور اہلِ ایمان سے دشمنی رکھنے والے ذلیل و خوار۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ یہاں غلبہ سے مراد دل کا غلبہ ہے جو قوتِ قلب سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ قوتِ قلب کیا ہے؟ ایمان کا خاصہ ہے جب سینہ معرفتِ الٰہی کا گنجینہ بن جاتا ہے اور دل نورِ ایمان سے منور ہو جاتا ہے تو آدمی خرابیٔ حالات سے مغلوب نہیں ہوتا مشکلات اس کے دل میں ضعف پیدا نہیں کرتیں اور وہ مشکل سے مشکل ماحول میں بھی اخلاص و ایمان کی مشعل کو فروزاں رکھتا ہے اور اقبال کے اس شعر کا مصداق بن جاتا ہے کہ ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

Marfat.com

تیسرا مفہوم اس آیت کا یہ ہے کہ خدا و رسول کے ساتھ دوستی اور اہلِ ایمان کے باہمی اتفاق و اتحاد کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس دنیا میں بھی کامیابی و کامرانی انہی کے قدم چومے گی اور اگر کبھی وہ کفار سے مغلوب بھی ہوں گے تو یہ ایک عارضی وقفہ ہوگا اور فی الحقیقت اس آزمائش و امتحان میں بھی کوئی خاص مصلحت و حکمت مضمر ہوگی۔

سبق اس آیتِ پاک سے یہ ملا کہ اہلِ ایمان کو ایک تو خدا و رسول کا دوست ہونا چاہیے۔ اور ان کی دوستی یہ ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو انہی کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق گزارنا چاہیئے۔ دوسرے انھیں آپس میں بھی ایک دوسرے کا دوست ہونا چاہیے اور ان کی آپس کی دوستی یہ ہے کہ وہ متفق و متحد ہو جائیں نیل کے ساحل سے لے کر خاکِ کاشغر تک جکارتہ سے لے کر کیسا بلانکا تک۔ اگر یہ بات حاصل ہوگئی تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ عزت و عظمت کے مقام پر وہی فائز ہوں گے۔

Marfat.com

اذان

وَاِذَا نَادَيۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوۡهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ ○

اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ بالکل عقل سے کام نہیں لیتے۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۱۳ آیت نمبر ۵۸

اسلام میں جماعت کے ساتھ نماز کا باقاعدہ نظام ہجرتِ نبوی کے بعد مدینۃ الرسول میں قائم ہوا۔ اس وقت تک اہلِ ایمان کو نماز کی طرف بلانے کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کے مشورے سے اذان کا موجودہ طریقہ اختیار کیا اور مدینہ کی فضا اذان کی آواز سے گونجنے لگی۔ ادھر منافقین اور مخالفین پر اس کا یہ ردِّ عمل ہوا کہ وہ اس کی زبردست اثر پذیری سے بوکھلا اٹھے اور انھوں نے یہ معمول بنا لیا کہ ادھر مؤذن نے اذان شروع کی ادھر انھوں نے ٹھٹھا مخول شروع کر دیا تاکہ یہ صدائے خیر و فلاح دلوں پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

اذان اسلام کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔ اوّل تو کوئی مذہب ایسا ہے ہی نہیں جس میں روزانہ پانچ مرتبہ تو کجا ایک دفعہ اجتماعی طور پر عبادت کرنے کا دستور ہو اور اگر کبھی مراسمِ عبادت انجام دینے کے لیے لوگوں کو بلانے کی ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے تو اس کے لیے گھنٹہ یا ناقوس بجایا جاتا ہے۔ یہ شرف صرف اسلام کے ساتھ خاص ہے کہ اس نے اعلانِ عبادت کے لیے جو طریقہ اختیار کیا وہ ذریعۂ عبادت ہی نہیں بجائے خود

Marfat.com

عبادت ہے یہ بھی اسلام کا زندہ معجزہ ہے کہ چودہ سو سال قبل حضرت بلال حبشیؓ کی زبان سے جو کلمات ادا ہوئے تھے مشرق و مغرب سے آج بھی ان کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے اور اس کرۂ ارض پر شاید ہی کوئی وقت ایسا گزرتا ہو گا جب اختلافِ اوقات کی وجہ سے کہیں نہ کہیں سے اذان کی آواز بلند نہ ہو رہی ہو۔ ایک انگریز مفکر کو اس پر حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ سکندر رومی جیسا عظیم شہنشاہ اور سپہ سالار موت کے گھاٹ اتر گیا، مگر حضرت بلالِ حبشیؓ آج بھی زندۂ جاوید ہیں۔ اقبال نے کہا، مَیں اس راز سے پردہ اٹھاتا ہُوں۔ ؎

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے

رومی فنا ہُوا حبشی کو دوام ہے

قرآن نے کہا یہ ظالم اس پاکیزہ پکار کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اذان کی آواز سُن کر اس پکار کا احترام کیا جائے اور اس پر لبیک کہتے ہوئے خدائے واحد و یکتا کے سامنے سرِ پُرغرور کو خم کر دیا جائے۔

Marfat.com

فتنہ و فساد

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

جب کبھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں درآنحالیکہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۱۳ آیت نمبر ۶۴

اس آیت پاک میں پیچھے سے ذکر عہدِ رسالت کے یہودیوں کا چل رہا ہے۔ یہ لوگ طلوعِ اسلام کے وقت صاحبِ ثروت بھی تھے اور صاحبِ اثر بھی۔ اور ان کی تمام تر کوششیں اس مقصد کے لیے وقف تھیں کہ کسی نہ کسی طرح اشاعتِ اسلام کی راہیں مسدود کردی جائیں۔ یہی وہ جذبہ تھا جس کے تحت کبھی تو وہ درپردہ سازشیں کرتے، دشمنانِ اسلام کو روپے پیسے سے قوت بہم پہنچاتے اور کبھی کھلم کھلا اہلِ ایمان کے مقابلے میں صف آرا ہو جاتے۔ آیت کے اس حصے میں ان کے انہی عزائم سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

فرمایا كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ وہ بھڑکاتے ہیں اور یوں بھی عرب جنگ کے وقت آگ روشن کیا کرتے تھے۔ ایقاد النار للحرب کے معنی ہیں جنگ کی تیاری کرنا مطلب یہ ہوا کہ جب بھی لڑائی کے منصوبے بناتے ہیں اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس آگ کو بجھا دیتا اور ان کی ساری تدبیریں خاک میں ملا دیتا ہے۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ۔ اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ اسلام فتنہ و فساد کا سخت مخالف ہے۔ اسی فتنہ و فساد کو دُور کرنے کے لیے اس نے اہلِ ایمان پر جہاد فرض کیا ہے۔ جہاد جارحیت اور ہوس ملک گیری کا نام نہیں۔ جہاد دفعِ فساد کی مقدّس ترین تدبیر ہے اور یہ اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب اس کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہ رہے جب کوئی عضو گل سڑ رہا ہو تو اسے کاٹتے ہی بنتی ہے اسی طرح اگر کوئی قوم فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے لیے تل چکی ہو تو اس آگ کو مجاہدوں کے خون سے بجھانا ہی پڑتا ہے۔

Marfat.com

توبہ

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

سو یہ لوگ اللہ کے سامنے کیوں توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے درآنحالیکہ اللہ بڑا مغفرت والا بڑا رحم والا ہے۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۷۴

عربی زبان میں توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا، لَوٹنا اور دُوری سے قرب کی طرف آنا، یہ لفظ قرآن نے بندے کے لیے بھی استعمال کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی۔ بندے کی توبہ یہ ہے کہ وہ ندامت کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ کی توبہ یہ ہے کہ وہ رحمت کے ساتھ اپنے بندے کی شرمساری کو قبول فرمالے۔

دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں انسان کو پیدائشی گنہگار ٹھہرایا گیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات بالکل اٹل ہے کہ انسان کو اس کے ہر گناہ کی سزا دی جائے۔ یہی نظریہ کہیں کفّارہ بن جاتا ہے تو کہیں عقیدۂ تناسخ۔ مگر اسلام وہ دین کامل ہے جس نے زندگی کے کسی مرحلہ میں بھی انسان کو مایوس نہیں ہونے دیا اور یہ بتایا کہ اگر وہ موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے پہلے صدق دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرماتا اور قیامت کے روز اسے اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دیتا ہے۔ یہی نہیں وُہ توبہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا پسندیدہ عمل قرار دیتا ہے کہ اسے عبادت شمار کرتا ہے اور یہ یقین دلاتا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ توبہ سے تمھارے گناہ معاف ہوں گے بلکہ تمھارے

Marfat.com

نامۂ اعمال میں نیکیاں بھی لکھی جائیں گی کہ تم نے اپنے رب کے سامنے اپنے گناہوں پر اظہارِ تاسف و ندامت کیا ہے۔

بعض لوگ توبہ کو بڑھاپے کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ جوانی کی عمر عیش پرستی میں گزارنے کے بعد عالمِ پیری میں پارسا بن جائیں گے۔ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ گناہوں کو فطرتِ ثانیہ بنا لینے کے بعد بڑھاپے میں بھی توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ سیّدنا علی المرتضٰی کا کہنا ہے کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے' اگر وہ توبہ کر لے تو سیاہی دھل جاتی ہے' ورنہ بار بار کے ارتکابِ گناہ کے بعد یہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے' اور انسان سے توبہ کی توفیق بھی سلب کر لی جاتی ہے۔

Marfat.com

فرد اور معاشرہ

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

جو برائی انھوں نے اختیار کر رکھی تھی اس سے ایک دُوسرے کو منع نہ کرتے تھے کیسا بے جا تھا جو کچھ وُہ کر رہے تھے۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۱۵ آیت نمبر ۷۹

قرآنِ حکیم میں اس آیت سے پہلے ذکر اس بات کا چلا آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم ہُود پر عذاب کیوں نازل کیا۔ اب اس آیت میں ایک جرم اس قوم کا یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برائیوں سے منع نہیں کرتے تھے۔ بُرائی کا ارتکاب ان کے سامنے ہوتا رہتا اور وُہ اسے روکنے کی کوشش نہ کرتے تھے۔

اس ارشادِ ربّانی سے معلوم ہُوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک یہی کافی نہیں، کہ آدمی خود نیک بن جائے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وُہ اپنے گردوپیش میں نیکی کی تبلیغ کرے اگر ایک فرد معاشرہ میں پھیلتی ہوئی کسی خرابی کو دُور کرنے کی کوشش نہیں کرتا، تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ اسے بھی اس خرابی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی بات کو ایک تمثیل کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ فرمایا کہ ایک فرد اور معاشرے کی مثال یوں ہے، جیسے ایک دو منزلہ کشتی دریا میں جا رہی ہو۔ پینے کا پانی اوپر کی منزل میں ہو اور نیچے کے لوگوں کو پانی لینے کے لیے اوپر آنا پڑتا ہو۔ اس بات سے تنگ آ کر نیچے کے لوگ سوچیں کہ کیوں نہ ہم کشتی کے پیندے میں سُوراخ

Marfat.com

کرلیں اس سے کشتی میں پانی آجایا کرے گا اور ہم اس مقصد کے لیے اُوپر جانے کی زحمت سے بچ جائیں گے۔ فرمایا اگر اُوپر کی منزل کے لوگ انھیں اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش نہ کریں، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ کشتی میں پانی بھر آئے گا اور نچلے حصّہ والوں کے ساتھ ساتھ اوپر والے بھی دریا میں غرق ہو کر رہیں گے۔

اس تمثیل میں حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے دل نشیں انداز میں فرد اور معاشرہ کا تعلق واضح کیا۔ اس کی روشنی میں ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ خود بھی نیک بنیں دوسروں کو بھی نیک بنائیں، اور مل جُل کر اس کشتی کو صحیح سالم رکھیں جس کی سلامتی حقیقت میں ہماری اپنی سلامتی ہے۔

Marfat.com

یہود اور ہنود

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ
وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ج

آپ لوگوں میں ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے یہود اور مشرکین ہی کو پائیں گے۔

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۱۵ آیت نمبر ۸۲

باہم دگر تعلق اور محبت کے جہاں اور بہت سے اسباب و محرکات ہیں، وہاں اس کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ قلبی تعلق رکھنے والوں میں فکر و نظر کی یکسانی اور منزل و مقصد کی وحدت ہوتی ہے۔ وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز!

تو یہ شاعری نہیں عین حقیقت ہے اور جس طرح یہ حقیقت افراد کے معاملے میں مسلّم ہے اسی طرح قوموں اور ملتوں کے مابین مؤدت و محبت کا رشتہ قائم ہونے میں بھی اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ قوموں میں بھی جذب و میلان تبھی پیدا ہوتا ہے جب ان میں عقیدہ و عمل اور فکر و نظر کی وحدت پائی جائے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک مسلمان قوم کی پائیدار اور حقیقی دوستی صرف اس قوم سے استوار ہو سکتی ہے جو اسلام کے کلمۂ جامعہ پر ایمان رکھتی ہے۔ البتہ ملکی و ملی تقاضوں، بقائے امن اور مشترک مقاصد کے لیے کسی بھی دوسری قوم سے مخلصانہ تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

اس آیتِ کریمہ میں ملّتِ اسلامیہ کے ساتھ دوسری قوموں کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک بنیادی بات کہی گئی ہے۔ ہر چند کہ اس میں جن قوموں کا ذکر کیا گیا ہے وہ عہدِ رسالت میں پائی جانے والی قومیں ہیں لیکن یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ ان پر جو تبصرہ چودہ سو سال پہلے کیا گیا تھا وہ آج بھی لفظ بہ لفظ حق و صداقت کا ترجمان ہے۔ فرمایا اے ہمارے رسول! اہلِ ایمان کے ساتھ بغض و عداوت میں سب سے زیادہ سرگرم آپ دو قوموں کو پائیں گے۔ ایک یہود، دوسرے مُشرک یعنی بت پرست۔ مطلب یہ ہوا کہ اور کسی بھی قوم سے مسلمانوں کی اچھائی کی توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ دو گروہ کبھی بھی مسلمانوں کے بہی خواہ نہیں ہو سکتے۔

آج جو عالمی حالات ہیں ان پر نگاہ ڈال لیجیے۔ عالمِ اسلام کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ مسائل دو ہیں۔ ایک فلسطین، دوسرے کشمیر۔ فلسطین کا مسئلہ یہودیوں کا پیدا کردہ ہے اور کشمیر کا مسئلہ بُت پرست مشرکوں کا۔ گویا یہ دونوں قومیں یہود اور ہنود فرمودۂ قرآنی کے مطابق آج بھی مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ شدید ہیں۔

Marfat.com

قرآن کا انقلاب انگیز اثر

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو پیغمبر پر اتارا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں دیکھیں گے کہ ان سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱ آیت نمبر ۸۳

قرآنِ حکیم کا انقلاب انگیز اثر ایک مسلمہ حقیقت ہے جو اس کی آیات کا مفہوم سمجھتے ہیں، ان کی تو بات ہی دوسری ہے جو نہیں سمجھتے ان کے دل بھی ان کی تلاوت سُن کر موم ہو جاتے ہیں اور تاریخِ اسلام ایسے کتنے ہی واقعات سے بھری پڑی ہے جب محض تلاوت سُن کر ہی بڑے بڑے مخالفوں کی کایا پلٹ گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ بہن کی زبان سے قرآن سُنا تو کہاں یہ کہ ارادۂ قتل سے نکلے تھے اور کہاں یہ کہ حلقہ بگوشانِ مصطفٰے میں شامل ہو گئے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسلمان خاتون سے یوں خطاب کیا ہے کہ ؎

تو می دانی کہ سوزِ قرأت تو
دگر گوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

Marfat.com

اس آیتِ پاک میں بھی مضمون کلام اللہ کی اسی اثر انگیزی کا بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اے پیغمبر! حق کو پہچان جانے والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ قرآن پاک سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ مفسرینِ کرام کا کہنا ہے کہ اس میں اشارہ نجاشی شاہِ حبشہ اور اس کے اہلِ دربار کی طرف ہے۔ جب حضرت جعفر طیارؓ کی قیادت میں مہاجرین کا پہلا قافلہ وہاں پہنچا ہے تو بادشاہ نے تلاوتِ قرآن کی فرمائش کی۔ اس پر حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی۔ عالم یہ تھا کہ وہ تلاوت کر رہے تھے اور شاہِ حبشہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس غائبانہ ایمان کا یہ اعزاز و اکرام عطا کیا کہ جب اس کی وفات کی خبر سُنی تو اس کے لیے غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ حق کی معرفت حاصل کرتے ہیں ان کا دل نرم ہو جاتا ہے اور اسی معرفتِ حق کے نتیجے میں جب وہ خدا کا کلام سُنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں کہ اے رب ہمارے! ہم تجھ پر ایمان لائے۔ ہمارا نام بھی اپنے رسُول کی تصدیق کرنے والوں میں شمار فرمالے۔

Marfat.com

لذائذِ دُنیا اور اسلام

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○

اے ایمان والو! اپنے اُوپر ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمھارے لیے جائز کی ہیں حرام نہ کرلو اور حدود سے آگے نہ نکلو۔ بے شک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پارہ نمبر۷ رکوع نمبر۲ آیت نمبر۸۷

عام طور پر لوگ لذائذِ دنیا کے استعمال میں افراط و تفریط کا شکار ہیں کچھ وہ ہیں جنھوں نے دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھانے کو زہد و عبادت کے منافی قرار دے لیا۔ ان کے نزدیک متقی اور پارسا وہی ہے جو نہ اچھا کھائے نہ اچھا پہنے۔ بس قلندر بنا رہے اس کے بالمقابل کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس معاملے میں دوسری انتہا پر ہیں۔ وہ لذائذ کے بارے میں کسی حد اور قید کے پابند نہیں۔ ان کا تصوّر یہ ہے کہ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ اسلام ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک حسین توازن قائم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک نہ تو جائز لذتوں کا بے جا استعمال پسندیدہ اور نہ اس کے نزدیک نعمتوں کے ترک کا نام زہد و تقویٰ ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی اعتدال کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فرمایا اے ایمان والو! جائز اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرلو۔ اس حرام کر لینے کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اعتقاداً کہ آدمی کسی حلال چیز کو عقیدۃً حرام سمجھے۔ یہ

Marfat.com

کفر ہے۔ دوسرے قولاً کہ کوئی آدمی قسم کھا بیٹھے کہ میں فلاں حلال چیز نہیں کھاؤں گا۔ اس کا کفّارہ دینا لازم ہے۔ تیسرے فعلاً یعنی ہمیشہ ہمیشہ کسی حلال چیز کا استعمال اس خیال سے ترک کر دینا کہ اس سے رب راضی ہو گا یہ رہبانیت ہے اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ طبی یا وقتی مصلحتوں کی بناء پر عارضی طور پر کسی چیز کا استعمال ترک کیا جا سکتا ہے اس میں حرج نہیں۔

آگے فرمایا کہ حدود سے تجاوز نہ کرو۔ حدود سے تجاوز یہ ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لیا جائے یا انھیں بے جا استعمال کیا جائے۔ فرمایا یہ دونوں صورتیں حدودِ خداوندی سے آگے بڑھنے کے مترادف ہیں۔ مومن وہ ہے جو زندگی کے جملہ پہلوؤں میں عدل و توازن کو برقرار رکھتا اور فطرت کے تقاضوں کو حسن و خوبی سے بروئے عمل لاتا ہے۔

Marfat.com

قسموں کے احکام

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ج

اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا لیکن جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو ان پر تم سے مؤاخذہ کرتا ہے۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۸۹ کا ٹکڑا

اس آیت پاک میں قسم کھانے کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ ایمان جمع ہے یمین کی۔ جس کے معنی قوّت کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے وہ قسم مراد ہوتی ہے جو اللہ کے نام پر یا اس کی صفت کے نام پر کھائی جائے جیسے واللہ باللہ تاللہ، رہیں وہ قسمیں جو محاورۂ زبان کی رُو سے روا روی میں کھایا کرتے ہیں، جیسے آپ کے سر کی قسم، جانِ عزیز کی قسم، تو اس طرح کی قسمیں شریعت میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

یمین یعنی اللہ کے نام یا اس کی صفت کے نام پر قسم کھانے کی تین قسمیں ہیں۔ گزرے ہُوئے واقعہ پر جھُوٹی قسم کھانا۔ جیسے یہ جانتے ہُوئے کہ فلاں شخص نہیں آیا تھا۔ کوئی آدمی یہ قسم کھائے کہ وہ آیا تھا۔ یہ شریعتِ اسلامیہ میں بہت بڑا گناہ ہے اور اسے غموس کہتے ہیں۔ دُوسری قسم کو منعقدہ کہتے ہیں اور یہ آنے والے زمانے کے بارے میں کھائی جاتی ہے جیسے یہ کہ خدا کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا اور اس کے باوجود وہ کام کرے تو اس پر کفّارہ لازم ہے اور کفّارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین روزے رکھ لیے جائیں۔ آنے والے زمانے ہی سے متعلق ایک قسم وہ ہوتی ہے

Marfat.com

جو کسی غلط اور بُرے کام پر کھائی جاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص قسم کھالے کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا ایسی صورت میں بھی قسم توڑ کر کفّارہ دینا لازم ہے۔

قسم کی تیسری قسم کو لغو کہتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص گمان کی بناء پر قسم کھا بیٹھے کہ کل ایسا ہُوا تھا، مگر فی الواقع ایسا نہ ہُوا ہو یا جیسے لوگ عادتاً و نادانستہ بات بات پر قسم کھاتے ہیں۔ اگرچہ شریعت اسے پسند نہیں کرتی لیکن اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔

قسموں کے متعلق اسلامی احکام کی یہ تفصیل سُن کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح ہمارا دین زندگی کے ایک ایک شعبے میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ان باتوں کو سمجھیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

شراب اور جُوا

اِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمھارے آپس میں دشمنی اور کینہ شراب اور جُوئے کے ذریعے سے ڈال دے اور تمھیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ کیا اب بھی باز آؤ گے۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۹۱

شراب اور جُوئے کے نقصانات عالم آشکار ہیں۔ قرآنِ حکیم نے یہاں ان بُری عادتوں کی کلیدی مضرتوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک دنیوی ہے دوسری دینی۔ دینی مضرت یہ بتائی کہ ان کے ذریعے سے دنگا فساد ہوتا، شر اور شرارت نشوونما پاتے ہیں اور یہ بات ایسی ہے جس پر روزمرّہ کے واقعات شاہدِ عادل ہیں۔ جُوا بازی اور شراب نوشی کے نتیجے میں گالم گلوچ سر پھٹول اور دست بگریباں ہونے کی مثالیں قدم قدم پر مل جاتی ہیں اور یہ دونوں لعنتیں ایسی ہیں کہ ان میں مبتلا ہونے کے بعد نہ اپنی غیرت و ناموس کا خیال رہتا ہے نہ دُوسرے کی آبرو کا پاس۔

قرآنِ حکیم نے ان کا دوسرا نقصان یہ بتایا کہ ان کی وجہ سے آدمی خدا کی یاد اور نماز سے رُک جاتا ہے۔ خدا کی یاد کا تعلق دل سے ہے اور نماز کا اعضاو جوارح کے انقیاد سے۔ مطلب یہ ہُوا کہ ایسے لوگ نہ ظاہراً شریعت کے پابند رہتے ہیں، نہ باطناً انھیں اپنے پیدا

Marfat.com

کرنے والے کا خیال رہتا ہے۔اور شراب کے رُوحانی نتائج واثرات کا تو یہ عالم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق شراب پینے کے بعد آدمی کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔

یہ دونوں بنیادی اور روحانی و مادّی نقصانات بیان کرنے کے بعد سوال کیا۔ فھل انتم منتھون کیا اب بھی باز آؤ گے یا ابھی کچھ کسر باقی ہے؟ مفسر ابنِ جریر لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عہدِ رسالت کے اہلِ ایمان پکار اٹھے۔ اے رب ہمارے ہم باز آ گئے۔اور اس باز آنے کا عالم یہ تھا کہ جس کسی نے شراب کی حرمت کا یہ اعلان سُنا۔ اس نے شراب کے مٹکوں کو توڑ دیا۔ اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہ رہی تھی جیسے بارش کے بعد پانی گلیوں میں بہتا ہے۔ یہ تھا قرآن اور قرآن لانے والے کی تعلیمات کا اعجاز کہ جو لوگ خود شراب وقمار کے عادی تھے وہی اس کے انسداد کے داعی بن گئے۔

اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

Marfat.com

فضول سوالات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار گزریں اور اگر تم انھیں دریافت کرتے رہو گے اس زمانہ میں جب کہ قرآن اُتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۴ آیت نمبر ۱۰۱

اس آیتِ پاک میں خواہ مخواہ کے سوالات سے منع کیا گیا۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بال کی کھال اتارتے ہیں۔ ہر بات کی تہ تک اُترنے اور مفروضوں کی بُنیاد پر سوال متعیّن کرکے ان کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نبیِ مکرم، رسولِ معظم، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی بعض لوگ اسی طرح کے لایعنی سوالات کیا کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ جب قرآنِ حکیم میں حج کی آیت نازل ہُوئی، تو ایک شخص نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے۔ آپؐ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپؐ پھر خاموش رہے۔ اس نے پھر پوچھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ تم پر افسوس ہے اگر میری زبان سے ہاں نکل جائے تو حج واقعی ہر سال فرض ہو جائے اور پھر تم اس حکم کی پیروی نہ کر سکو۔

اسی طرح ایک شخص کے نسب میں شک کیا جاتا تھا۔ اس نے آکر آپؐ سے سوال کیا۔ یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ فلاں شخص۔ ظاہر ہے اس سے اس کی

Marfat.com

پردہ دری ہو کر رہ گئی۔ اگر وہ یہ سوال نہ پوچھتا تو اصل حقیقت پر بدستور پردہ پڑا رہتا۔ اسی طرح بعض دوسرے لوگ آتے اور ان چیزوں کے بارے میں بھی استفسار کرتے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام نہیں ہوئی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ بعض سوالوں کے جواب کے بعد مباحات کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی۔ پھر اس کے سوال کرنے پر وہ چیز حرام ٹھہرا دی گئی۔

سبق اس ارشادِ ربّانی سے یہ حاصل ہوا کہ دین ایک روشن اور واضح حقیقت ہے۔ کوئی معمّا یا بجھارت نہیں۔ اس لیے دور از کار سوالات اور پیچیدہ استفسارات کے ذریعے سے اس کا دائرہ تنگ نہیں کرنا چاہیئے اور یہ اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس میں کھوج کرید اور تجسّس اور لایعنی و فضول سوالات قائم کر کے وقت ضائع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

Marfat.com

مُبلّغ یا خدائی فوجدار

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ط

اے ایمان والو! تم اپنی فکر میں لگے رہو کوئی بھی گمراہ ہو جائے اس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں جب کہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو۔

پارہ نمبر ۷، رکوع نمبر ۴ آیت نمبر ۱۰۵

تبلیغ کے معنی ہیں دین کی بات کو حکمت اور موعظت کے ساتھ دوسرے تک پہنچا دینا مگر بدقسمتی سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مبلغ خدائی فوجدار ہوتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ لٹھ لے کر لوگوں کے پیچھے پڑ جائے اور اپنی بات منوا کر چھوڑے۔ اس آیتِ کریمہ میں اشاعتِ دین کے اسی مبالغہ آمیز تصوّر کی تردید کی گئی ہے۔ فرمایا۔ اے اہلِ ایمان! تمھارا کام بس اتنا ہے کہ تم حق کی بات حسن و خوبی کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دو۔ اس کے بعد وہ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں۔ تمھارا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ بنیادی طور پر فکر بس اپنی ہی لگی رہے۔ دوسروں کے عیبوں اور قصوروں کی کھوج کرنے کے بجائے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھتے رہو۔ تم سے جواب طلبی تمھاری اپنی ہوگی۔ یہ پوچھ نہیں ہوگی کہ تم نے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا تھا۔ نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تھا۔ لوگوں نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔ تم اپنے فرائض ادا کرتے رہو دنیا جہان کے ٹھیکیدار بننے کی کوشش نہ کرو۔

آیتِ پاک میں سبق گویا نیکی کی تبلیغ پر حسن و اعتدال کا دیا گیا ہے جہاں یہ غلط ہے

Marfat.com

کہ سرے سے دوسروں کو نصیحت نہ کی جائے۔ بس حال مست رہا جائے۔ وہاں یہ بھی غلط ہے کہ آدمی دوسروں کی فکر میں اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھے اور لوگوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائے۔ ان کی نیتوں کا احتساب کرے اور ان کی گمراہی اور ضلالت کا چرچا کرتا رہے۔

فرمایا۔ اگر تم خود راہ یاب ہو صراطِ مستقیم پر ہو تو اوروں کی گمراہی کا کوئی نقصان تمھیں نہیں پہنچ سکتا۔ تمھارا فرض یہ ہے کہ دوسروں کا نقّاد بننے کے بجائے کبھی کبھی اپنی ذات کا محاسبہ کرو۔ اپنی خامیوں کو دُور اور خدا کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرنے کی کوشش کرو۔ کہ قیامت کے دن اس کا تم سے مؤاخذہ ہوگا۔

Marfat.com

مرنے کے بعد

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ○

اور کہا انھوں نے یہ کہ زندگی تو بس ہماری اسی دنیا کی زندگی ہے اور ہم زندہ اٹھائے جانے والے نہیں۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۹ آیت نمبر ۲۹

اسلام جن حقائق پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے ان میں سے ایک بنیادی حقیقت عقیدۂ آخرت ہے یعنی یہ کہ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جہاں ہمیں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ تو دراصل ایک امتحان گاہ اور ایک دارِ آزمائش ہے۔ یہاں ایک مقررہ وقت تک انسان کو رکھا گیا ہے۔ ایک دن آئے گا کہ دنیا ختم ہو جائے گی اور مرنے کے بعد تمام لوگ پھر زندہ کیے جائیں گے اور ان میں سے ایک ایک اپنے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا اور جس نے جو عمل کیا ہے اس کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا۔

جب یہ حقیقت پیش کی گئی تو کئی لوگ تھے جو اسے ماننے سے انکار کرتے تھے اور آج بھی کئی لوگ ہیں جو ابھی تک اسی شک و شبہ میں مبتلا ہیں ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے حالانکہ علوم کے ارتقاء اور موجودہ سائنس کے فروغ نے اس حقیقت کے سمجھنے میں بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انسان کا جسم بعض خاص اجزاء سے مل کر بنا ہے جس کی مجموعی اکائی کو خلیہ یا سیل کہتے ہیں۔ ایک انسانی جسم تقریباً ۲۶ پدم سیلز سے وجود میں آتا ہے یہ گویا بے شمار چھوٹی چھوٹی اینٹیں ہیں جن سے جسم کی عمارت تعمیر

Marfat.com

ہوتی ہے۔سائنس بتاتی ہے کہ ہمارے جسم کی یہ اینٹیں ہر آن بدلتی رہتی ہیں یہاں تک کہ ہر دس سال کے بعد جسم کی تمام پچھلی اینٹیں ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی جگہ نئی اینٹیں لے لیتی ہیں۔اس طرح ہر دس سال کے بعد ہمارا جسم بالکل بدل جاتا ہے لیکن اس کے اندر کا انسان وہی رہتا ہے۔گویا اس لحاظ سے پچاس سال کی عمر کا آدمی اپنی زندگی میں پانچ مرتبہ مر مر کر زندہ ہوتا ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک آدمی کا جسم پانچ مرتبہ ختم ہو کر بھی پھر سے زندہ ہو جاتا ہے تو اس جسم کے ختم ہونے کے بعد چھٹی مرتبہ اس کا زندہ ہونا کیوں ناممکن سمجھ لیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ آخرت نہ صرف عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے بلکہ یہ عقل و دانش سے بھی ہرگز متصادم نہیں۔بس شرط اتنی ہے کہ آدمی سر تا سر مادیّت میں ڈوب کر مسائل پر غور نہ کرے۔

Marfat.com

مچھلی اور کانٹا

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○

پھر جب اس چیز کو جس کی انھیں نصیحت کی جاتی تھی وہ جھٹلاتے رہے تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اس پر جو انھیں ملا تھا اترا گئے تو ہم نے دفعتاً ان کو پکڑ لیا اور وہ دھک سے رہ گئے۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱۱ آیت نمبر ۴۴

عام طور پر خوشحالی اور دولتمندی کو رضائے خداوندی کی دلیل سمجھا جاتا ہے اسی طرح جو لوگ غلط راہوں پر چلنے اور حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کے باوجود روپے پیسے سے کھیلتے ہیں، وہ خود بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہمارا طرزِ عمل بالکل صحیح ہے یہاں تک کہ یہ غلط فہمی انھیں کبر و غرور میں مبتلا کر دیتی ہے۔ افراد کی طرح یہی حال قوموں کا بھی ہے۔ اقتصادی اور معاشی فراغت مادّی ترقی اور دنیوی کامیابی کے شاندار مظاہرے اکثر و بیشتر ان کے لیے بھی قبولِ حق کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور وہ اپنی شان و شوکت کے نشے میں چور ہو کر مذہب و اخلاق سے یکسر بے بہرہ ہو جاتی ہیں۔

قرآنِ حکیم کے اس ارشاد میں اس خام خیالی کی تردید کی گئی ہے۔ فرمایا دنیوی دولت و صولت سے دھوکا نہ کھاؤ۔ تمھیں پچھلی قوموں کی تاریخ سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ یہ وہ قومیں تھیں جو عالیشان محلات میں رہتی تھیں۔ طاقت اور دولت کے لحاظ سے جواب نہ رکھتی تھیں۔ مگر جب

Marfat.com

انھوں نے حق کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں آزمائش میں مبتلا کرنے کے لیے اور زیادہ نعمتیں عطا فرمادیں یہاں تک کہ جب وہ اچھی طرح بہک گئیں اور بھٹک گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اچانک ان پر عذاب نازل کیا اور وہ تہس نہس ہو کر رہ گئیں۔

مولانا روم نے اس سلسلے میں بڑی عمدہ مثال دی ہے۔ وہ کہتے ہیں معصیت کاری اور گنہگاری کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائے نعمت ایسے ہی ہے جیسے ایک شکاری مچھلی کو پکڑنے کے لیے کانٹے پر کھانے کی کوئی چیز لگا دیتا ہے مچھلی اس پر منہ مارتی ہے شکاری ڈور کو اور ڈھیل دے دیتا ہے وہ سمجھتی ہے میری خاطر تواضع ہو رہی ہے یہاں تک کہ جب کانٹا اچھی طرح اس کے حلق میں چلا جاتا ہے شکاری یک لخت ڈور کھینچ لیتا ہے اور مچھلی تڑپتی ہوئی باہر آجاتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باوجود نعمتیں ملتی ہیں تو ان پر اِترانا نہیں چاہیئے۔ یہ بڑی سخت آزمائش ہے اور جو لوگ اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ کسی وقت بھی خدائی عذاب کی گرفت میں آسکتے ہیں۔

Marfat.com

خدا کا تصوّر

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم پر سلامتی ہو تمھارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱۲ آیت نمبر ۵۴

اسلام میں خدا کا تصوّر کسی اندھی اور بہری سخت گیر طاقت کا نہیں ایک رحمٰن اور رحیم آقا کا ہے ایسا رحمٰن و رحیم آقا جس نے محض اظہارِ رحمت کے لیے اس کائنات کو تخلیق فرمایا اور پھر جب اپنے تختِ حکومت پر جلوہ گر ہُوا تو اس پر بھی یہ کلمہ تحریر کر دیا کہ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ فخرالمرسلین رحمۃ للعالمین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصّے کیے ننانوے حصّے اپنے پاس رکھ لیے اور ایک حصّہ کُل کائنات پر تقسیم کر دیا اور یہ جو والدین کے دل میں اپنے بچّوں کی محبّت پائی جاتی ہے یہ بھی اسی سینکڑویں حصہٗ رحمت کا ایک پرتو ہے۔

عہدِ رسالت کا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم اپنے صحابۂ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک صحابی اس حال میں مجلس میں وارد ہُوئے کہ انھوں نے چادر کے نیچے کچھ چھپا رکھا تھا اور ان کے سر پہ دو پرندے اڑتے آ رہے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ یہ میری چادر کے نیچے ان پرندوں کے بچّے ہیں۔ مَیں جنگل میں گیا تو انھیں اٹھا لایا۔ جب سے ان کے ماں باپ ان کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ میرے سر پر اڑتے چلے آ رہے ہیں۔ سرکارِ رحمت پناہ نے حکم دیا کہ ان بچّوں کو وہیں رکھ آؤ جہاں سے اٹھایا تھا۔ پھر فرمایا۔ ان پرندوں کو اپنے بچّوں سے جتنی محبّت ہے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس سے بھی بڑھ کر محبّت رکھتا ہے۔

معلوم ہُوا کہ اسلام کا خدا خواہ مخواہ اپنے بندوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ اس کی رحمت تو ان کی بخشش کے لیے بے قرار ہے۔ شرط یہ ہے کہ کچھ وہ بھی بخشے جانے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ سے پوچھا تھا کیا تم کسی ماں کے متعلق سوچ سکتے ہو کہ وہ اپنے ہی ہاتھ سے اپنے کسی بچّے کو آگ میں جھونک سکتی ہے۔ عرض کیا گیا نہیں۔ فرمایا تو پھر سُن لو کہ اللہ تعالیٰ ماں سے بھی بڑھ کر اپنے بندوں پر شفیق ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ گناہ کے باوجود خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے اور وُہ باغیوں کے علاوہ ہر گناہگار کو بخشنے کے لیے ہر وقت آمادہ ہے۔

Marfat.com

عقیدۂ آخرت

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ
ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ
وہ وہی تو ہے جو رات کے وقت تمھیں وفات دے دیتا ہے اور جو
کچھ تم دن میں کرتے رہتے ہو اسے جانتا ہے پھر تمھیں اس سے جگا دیتا
ہے کہ میعادِ معیّن تمام کر دی جائے۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱۲ آیت نمبر ۶۰

عقیدۂ آخرت کے سلسلے میں ہمارے ذہن میں جو اشکالات پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، وہ دو ہیں۔ ایک یہ کہ کیا واقعی ایک دن آئے گا جب یہ پوری کی پوری کائنات ختم ہو جائے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ مرنے کے بعد ہمیں از سرِ نو زندہ کیوں کر کیا جائے گا۔ چونکہ عقیدۂ آخرت اسلام کی ایک اہم ترین بنیاد ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم میں بار بار اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے تاکہ انسانی ذہن میں شک کا کوئی کانٹا باقی نہ رہے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہ ساری کی ساری کائنات ایک دن تباہ کیونکر ہو جائے گی تو یہ حقیقت ہے کہ حیرت اس پر نہیں بلکہ اس پر ہونی چاہیئے کہ یہ اب تک قائم کیسے ہے۔ کائنات نام ہے ایک لامحدود خلاء کا جس میں بے شمار سیّارے اندھا دھند گردش کر رہے ہیں۔ یہ گردش کسی وقت بھی ایک زبردست ٹکراؤ کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ اس وقت کائنات کی حالت بہت بڑے پیمانے پر ایسی ہی ہو گی جیسے لاکھوں بمبار ہوائی جہاز بموں سے لدے ہوئے فضا میں اُڑ رہے ہوں اور یکایک سب کے سب ٹکرا جائیں۔ اس واقعہ کے

Marfat.com

نتیجے میں جو صورتِ حال پیدا ہوگی اس کا دوسرا نام قیامت ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ ہم مر کر زندہ کیسے ہوں گے۔ قرآنِ حکیم کہتا ہے اس کے لیے اپنی نیند کی مثال پر غور کرو۔ ہر رات ایسا ہوتا ہے کہ تم ایک چھوٹے پیمانے پر مر جاتے ہو۔ نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہو۔ تمھاری قوّتوں کو لوریاں دے دے کر کوئی معطّل کر دیتا ہے۔ پھر دن ہوتا ہے اور تم بیدار ہو جاتے ہو۔ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ تمھیں روزانہ مارتا اور جلاتا ہے تو پھر اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ موت کی طویل ترین نیند کے بعد ایک مرتبہ پھر تمھیں زندہ کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ آخرت کو تسلیم کرنا ہو تو ایک سلیم الفکر انسان کے لیے یہی دو سادہ سی باتیں کافی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ان حقائق کے باوجود آخرت کے منکر ہیں تو وہ انہی لوگوں کے زمرے میں شامل ہیں جو آنکھیں رکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے، کان رکھتے ہیں مگر نہیں سنتے اور دل و دماغ رکھتے ہیں مگر نہیں سوچتے۔

Marfat.com

بُتوں کو بھی گالی نہ دو

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط

اور انھیں گالی نہ دو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہیں ورنہ یہ لوگ حد سے گزر کر جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔

پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱۹ آیت نمبر ۱۰۸

اس آیتِ پاک میں ہمارے لیے دو نہایت اہم سبق ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ اسلام میں گالی سخت ناپسندیدہ چیز ہے یہاں تک کہ اس سے بھی منع فرمایا گیا ہے کہ ہم معبودانِ باطل کو گالی دیں۔ حالانکہ یہ سنگ وخشت کے بنے ہوئے بُت تھے۔ صاحب احساس نہ تھے کہ گالی سُنیں اور اس کا اثر لے سکیں۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب بُتوں تک کو گالی دینا منع ہے تو ایک صاحبِ احساس انسان کو گالی دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ یہ ایسی بُری عادت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔ فرمایا۔ منافق کی پہچان یہ ہے کہ جب وہ جھگڑا کرتا ہے تو گالی دیتا ہے۔

اس آیت کا دوسرا سبق یہ ہے کہ ہمیں باہم دگر رواداری سے کام لینا چاہیے۔ اور فرقہ وارانہ اختلافات کو اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیئے کہ وہ ہمارے اتحادِ ملّی پر اثر انداز ہو سکیں۔ قرآنِ حکیم کے اس ارشاد میں تو فراخدلی کی یہاں تک تعلیم دی گئی ہے کہ تم بُتوں کو بھی گالی نہ دو۔ اب یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ایک ملّت میں رہتے ہوئے

Marfat.com

ہمارے مختلف مکاتب فکر ایک دوسرے کے راہنماؤں کا احترام نہ کریں۔ ہم تو وہ ہیں کہ بنیادی اختلاف رکھنے کے باوجود بتوں کو بُرا بھلا نہیں کہتے مبادا انھیں پُوجنے والوں کے جذبات مجروح ہوں اور وہ اس خدائے حقیقی کی شان میں کوئی گستاخی کر بیٹھیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ محض فروعی اختلافات کی وجہ سے ہم ایک دُوسرے کے بزرگوں کی توہین کرنے لگیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی تنگ دلی اور تنگ نظری اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ اسلام فراخ دلی، وسیع النظری اور رواداری سکھاتا ہے۔ اس کے ماننے والوں کو یہ زیب نہیں دیتا، کہ وہ معبودانِ باطل کو بھی غلط لفظوں سے یاد کریں۔

Marfat.com

پرائیویٹ اور پبلک لائف

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ○

اور چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو بھی اور اس کے باطن کو بھی، بے شک جو لوگ گناہ کما رہے ہیں انھیں عنقریب بدلہ مل جائے گا اس کا جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں۔

پارہ نمبر ۸ آیت نمبر ۱۲۰ رکوع نمبر ۱

اس آیتِ پاک میں گناہ کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد ان دونوں کو چھوڑ دو۔ یہ دونوں قسمیں کیا ہیں۔ فرمایا ایک گناہ کا ظاہر ہے دوسرا اس کا باطن۔ بعض مفسرین کے نزدیک گناہ کے ظاہر سے مراد اس کی عملی شکل ہے اور اس کے باطن سے مراد غلط اعتقاد ہے۔ گویا ایک عملی گناہ ہوا دوسرا اعتقادی۔ یہ تفسیر بھی اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس کی جامع اور بہترین تفسیر یہ ہے کہ ظاہر الاثم یعنی ظاہری گناہ وہ ہے جو لوگوں کے سامنے کیا جائے اور باطن الاثم وہ ہے جو لوگوں کی نگاہ سے چھپا کر پوشیدہ طور پر کیا جائے۔ اسلام کے سوا دوسری بہت سی تہذیبوں میں معصیت کی کئی باتیں بجائے خود معیوب نہ تھیں۔ صرف ان کا کھل جانا عیب تھا۔ قدیم یونان میں چوری کرنا فی نفسہ کوئی جرم نہ تھا البتہ اگر چوری پکڑی جاتی تھی تو اس پر سزا دی جاتی تھی۔ یہی عرب معاشرے کا حال تھا اس میں بدکاری کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا صرف اتنا حکم تھا کہ افشائے راز نہ ہونے دو اور تو اور خود آج کی مغربی تہذیب میں حرامکاری عیب کی بات نہیں۔ اس میں

Marfat.com

عیب کا پہلو تب پیدا ہوتا ہے جب یہ پبلک اسکینڈل بن جائے۔ آج بھی زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک پبلک لائف دوسرے پرائیویٹ لائف۔ تقاضا یہ ہے کہ اپنی پبلک لائف کو درست رکھو۔ رہی پرائیویٹ لائف تو اس سے کسی کو بحث نہیں تم جو چاہو کرتے رہو یہ تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔ اسلام اس طرح کی تقسیم کو ناجائز قرار دیتا ہے اس کے نزدیک انسان کی پبلک لائف بھی صاف و شفاف ہونی چاہیئے اور اس کی پرائیویٹ لائف بھی بے داغ۔ اس کی زندگی کا جو حصّہ صرف خالق کے سامنے ہو وہ بھی پاکیزہ ہو اور جو حصّہ مخلوق کے سامنے ہو وہ بھی اُجلا اور نکھرا ہوا ہونا چاہیے۔ اس کا ظاہر بھی اچھا ہو اس کا باطن بھی درست۔ اس کے اعضاء و جوارح سے بھی گناہ سرزد نہ ہو اور اس کا دل بھی بُری باتیں نہ سوچے۔

فرمایا۔ ایسا نہ ہوا تو یاد رکھو ایک دن آنے والا ہے جب اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا اور جس میں ظاہر و باطن اور پبلک و پرائیویٹ کسی طرح کی کوئی تقسیم تسلیم نہیں کی جائے گی۔

Marfat.com

اضطرار کی حالت میں

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

لیکن جو کوئی اضطرار میں مبتلا ہو اور طالب لذّت نہ ہو، نہ حد سے تجاوز کرے تو بے شک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا اور رحمت والا ہے۔

پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۱۴۵

اسلام، دین رحمت اور دین فطرت ہے۔ اس نے زندگی سے لے کر موت تک انسان کی ہر شعبے میں راہنمائی کی ہے۔ مشکل لمحوں میں اس کے لیے آسانیاں فراہم کی ہیں اور ایسے حالات پیدا کیے ہیں کہ احکام شریعت کی پیروی کسی کے لیے بوجھ نہ رہے۔ اس آیت میں بھی اسی طرح کی ایک آسانی اور رعایت کا ذکر کیا گیا ہے۔

فرمایا جو کوئی تم میں سے اضطرار میں مبتلا ہو۔ اضطرار ضرورت سے نکلا ہے اور عربی زبان میں اس کا باب افتعال ہے مطلب ہے شدید ترین ضرورت۔ اصطلاح شرع میں اس کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بھوک کی شدّت سے دم نکلا جا رہا ہو۔ دوسرے یہ کہ انسان کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے شفایابی کے لیے حرام کا استعمال ناگزیر ہو۔ تیسرے یہ کہ کوئی طاقت اسے حرام کھانے پر بزور مجبور کر رہی ہو۔ فرمایا۔ ان تین صورتوں میں سے کوئی بھی صورت ہو اپنی جان کی حفاظت کے لیے حرام کھا لینے کی اجازت ہے، بشرطیکہ ایسا کرتے ہوئے نہ تو لذّت کا حصول مقصود ہو اور نہ حد سے تجاوز کیا جائے۔ بس حرام چیز بقدرِ ضرورت کھائی جائے۔ اتنی کہ جس سے جان کا بچاؤ ممکن ہو سکے، اس کے

Marfat.com

بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے۔ بخشنے والا ہے۔ جرائم کو بخشتا ہی نہیں بعض اوقات انھیں جرائم ہی نہیں رہنے دیتا اور رحیم ہے رحم فرمانے والا ہے اپنے بندوں کی مشکلات پر ترس کر کے ان کے لیے سہولتیں پیدا کر دیتا ہے۔

قرآنِ حکیم کے اس ارشاد اور شریعتِ اسلامی کی اس گنجائش سے شریعت کا یہ مزاج معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنی نوعِ انسان کی سہولت کے لیے نازل کی گئی ہے تنگی کے لیے نہیں۔ سرکار رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، اَلدِّیْنُ یُسْرٌ ——— دین آسان ہے وہ لوگ جو سُنی سنائی باتوں کی بدولت اسلامی شریعت کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں ان کا فرض ہے کہ ان حقائق پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

Marfat.com

رضا اور مشیّت

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا
وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ط

جو لوگ شرک کرتے ہیں اب کہیں گے کہ اللہ اگر چاہتا تو شرک نہ ہم کرتے نہ ہمارے باپ دادا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے۔

پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۵ آیت نمبر ۱۴۸

حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس زمانے میں اعلانِ نبوت فرمایا اس میں توحید کا تصوّر دھندلا ہو چکا تھا۔ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود پستی کی اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ اپنے ہی ہاتھ سے بُت بناتا اور پھر ان کے آگے سجدے کرتا۔ خدا کے وجود کو تسلیم کیا جاتا تھا لیکن اس کے ساتھ کتنے ہی دوسرے خود ساختہ خداؤں کو شریک کیا جاتا اور ان کی خوشی کے لیے کتنی ہی حلال چیزوں کو حرام اور کتنی ہی حرام چیزوں کو حلال ٹھہرالیا گیا تھا۔

قرآنِ حکیم اور قرآنِ حکیم لانے والے نے ان غلط عقائد اور اعمال پر تنقید کی اور راہِ راست کو واضح کیا تو ان لوگوں نے عجیب منطق بگھاری۔ قرآنِ حکیم نے سیقول کہا ہے یعنی یہ لوگ بھی کہہ رہے ہیں اور ان کی ذہنیت رکھنے والے دوسرے لوگ بھی مستقبل میں یہ کہیں گے کہ ہم شرک کر رہے ہیں یا ہم نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرالیا ہے تو یہ سب کچھ تو خدا کی مرضی کے عین مطابق ہے اگر مرضی کے مطابق نہ ہوتا تو وہ ہمیں ایسا کرنے کیوں دیتا؟ قرآنِ حکیم نے اس کے جواب میں یہ وضاحت کی کہ ایک ہے خدا

Marfat.com

کی مشیت اور ایک ہے خدا کی رضا۔ ان دونوں چیزوں میں فرق ہے اور جو لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے وہ گمرہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خدا کی مشیت یہ ہے کہ اس نے انسان کو ارادہ و اختیار دے کر پیدا کیا ہے وہ چاہے تو اچھے کام کرے اور چاہے تو برے کام، اور اس کی رضا یہ ہے کہ برائی کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کے قانونِ مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ وہ اپنی رضا کو بالجبر مسلّط نہیں کرنا چاہتا نیکی اسی کا تو نام ہے کہ افرادِ نوعِ انسانی اپنی آزاد مرضی اور ارادہ سے غلط طرزِ عمل کو چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کریں۔

آیت سے سبق یہ نکلا کہ جو لوگ اپنی غلط کاریوں کے لیے خدا کی مشیت کو ڈھال بناتے ہیں، وہ کج فکری اور کج عملی کا شکار ہیں۔ اس کج فکری اور کج عملی کا جو عہدِ رسالت کے گم کردہ راہوں کی ذہنی میراث ہے۔

Marfat.com

عفو و رحمت

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○

"جو کوئی نیکی لے کر آئے گا۔ اس کو اس کے مثل دس نیکیاں ملیں گی اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا اس کو بس اس کے برابر ہی بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۶۰

اللہ تعالیٰ کے ہاں بنیادی طور پر معاملہ بندے سے عفو و رحمت ہی کا ہوگا۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے کہ ؎

رحمتِ حق بہا نمی جوید　　　رحمتِ حق بہانہ می جوید

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بہا نہیں ڈھونڈتا۔ بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ بہا فارسی میں قیمت کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ رحمتِ خداوندی کسی قیمت کے عوض نہیں ملتی وہ تو خود ہی اس جستجو میں رہتی ہے کہ بندے کی بخشش کا بہانہ مل جائے تو اسے بخش دیا جائے۔

اس آیتِ پاک کے مضمون کو دیکھیے۔ اس میں وہ شرح بیان کی گئی ہے جس کے مطابق اعمال پر جزا و سزا کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ فرمایا جو کوئی نیکی کرے گا اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں درج ہوں گی اور جو کوئی بدی کرے گا تو ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ اور نیکیوں کی یہ شرح بھی کم سے کم ہے۔ قرآن اور حدیث کے دوسرے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجر بعض اوقات ایک سے ستّر بلکہ سات سو گنا تک جا پہنچتا ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے،

Marfat.com

نیکی کی مثال یوں ہے، جیسے کسی نے زمین میں ایک دانہ بویا اس سے ایک کونپل پھوٹی جس کی ایک ایک بال میں کئی کئی سو دانے ہیں۔ نیکی کا یہ صلہ اس کے فضل پر مبنی ہے اور اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اس نے نیکی کی نیّت کو بھی عملِ نیک کے درجے میں رکھا ہے۔

فرمایا۔ اگر ایک شخص نے نیّت کی کہ وہ فلاں نیک کام کرے گا اور کسی وجہ سے نہ کرسکا تو اس پر بھی ایک نیکی اس کے حساب میں لکھی جائے گی۔ اور اگر اس نے بدی کی نیّت کی اور بعد میں اسے عملی جامہ پہنانے سے باز آ گیا تو اس کی وجہ سے بھی گناہ کا لکھا جانا تو ایک طرف رہا اُلٹا ثواب لکھا جائے گا کہ اس نے بدی کی نیّت کرنے کے باوجود اس کا ارتکاب نہیں کیا۔

اس ارشاد سے معلوم ہُوا کہ اسلام کا خدا رحیم و کریم ہے اور جو لوگ اس کے قہر و غضب سے ڈراتے ہُوئے اس کے جود و عطا کو بھلا بیٹھے ہیں، وہ سخت زیادتی کرتے ہیں۔ اب یہ ہماری بدنصیبی ہے اگر اس رحمت و شفقت کے باوجود ہم اس کی مغفرت سے محروم ہیں۔

Marfat.com

توحید و رسالت

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

"آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں سرِ تسلیم خم کرنے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔"

پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۶۲، ۱۶۳

یہ آیتِ کریمہ پورے قرآن کا خلاصہ اور اس کا نچوڑ ہے اور اس پر غور کیا جائے تو توحیدِ کامل اپنی پوری جامعیت کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے پیچھے سے سلسلۂ کلام یہ ہے کہ مشرکین کی فکری اور عملی گمراہیوں پر تنقید کرتے ہوئے قرآن حکیم موحّدِ اعظم حضور نبیِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے یہ اعلان کرا رہا ہے کہ اگرچہ تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والے ہو لیکن تمہاری فکری اور عملی زندگی اس کی کھلم کھلا تردید کر رہی ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شرک کے نہیں توحید کے علمبردار تھے اور اس لحاظ سے اگر کوئی ان کے طریقے پر چل رہا ہے تو وہ میں ہوں تم نہیں ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند یہ اعلان کرتا ہوں کہ میری نماز میری قربانی میری جملہ عبادتیں یہاں تک کہ میری زندگی اور موت سب کچھ اللہ رب العالمین کی رضا کے لیے ہے۔ دوسرے لفظوں میں قرآن نے یہ کہہ کر مومنِ کامل کی پہچان بتادی اور واضح کر دیا کہ خدا کے پاکباز بندوں کی راہ پر چلنے والا کون ہے۔ فرمایا وہ نہیں جو اپنی زندگی

Marfat.com

کے حصّے بخرے کرلیتا ہے اور پھر کسی حصّے میں خدا کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی حصّے میں شیطان کو۔ مومنِ کامل تو وہ ہے جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تابعِ فرمانِ الٰہی ہو جو اوّل و آخر توحید کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے جس کی دوستی بھی خدا کے لیے ہو اور جس کی دشمنی بھی خدا کے لیے۔

توحید کے بعد۔ آیت کے اگلے حصّے میں رسالت کا مقام واضح کیا۔ فرمایا اے ہمارے رسول کہہ دیجیے کہ میں فقط توحید کی یہ دعوت ہی لے کر نہیں آیا۔ میں صرف داعی اور پیام رساں ہی نہیں میرا کام یہ بھی ہے کہ اس پر سب سے پہلے عمل کرکے دوسروں کے سامنے نمونہ بھی پیش کروں چنانچہ میں اعلان کرتا ہوں کہ اس دعوت پر سب سے پہلا عمل کرنے والا میں ہوں۔ اور جو کوئی توحید کے طریقے پر اپنی زندگی استوار کرنا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ میرے نقشِ قدم پر چلے۔

شاعر نے کتنی سچّی بات کہی ہے کہ ؂

خدا بھی مل نہ سکے گا ہمیں جو وہ نہ ملے
خدا کا نام بھی لیتے ہیں ان کے نام کے ساتھ

Marfat.com

نیابتِ خداوندی

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىکُمْ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ ۗ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کے رُتبے دوسروں پر بلند کیے تاکہ تمھیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دے رکھی ہیں بے شک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے بے شک وہ بڑا مغفرت والا اور رحمت والا ہے۔

پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۶۵

خلیفہ عربی زبان میں قائم مقام یا نائب کو کہتے ہیں۔ لغت کے مشہور امام راغب کہتے ہیں کہ "خلافت کا مطلب ہے کسی کی نیابت کرنا خواہ یہ قائم مقامی کسی کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہو یا کسی کی موت یا عجز کی وجہ سے ہو یا اس مقصد کے لیے کہ جس کو قائم مقام بنایا جا رہا ہے لوگوں پر اس کی عظمت ظاہر ہو۔ اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم نے زمین پر تمھیں اپنا خلیفہ اور قائم مقام بنایا ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں جس وجہ سے اپنا نائب بنایا اس کا سبب نہ تو عدم موجودگی ہو سکتی ہے نہ العیاذ باللہ موت و عجز۔ اس کا مقصد ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے حضرتِ انسان کا مقامِ بلند کائنات میں رہنے والی تمام مخلوقات پر واضح ہو جائے۔

پھر فرمایا ہم نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد ان میں مختلف درجے اور مرتبے بنائے۔

Marfat.com

کسی کو صحتمند بنایا تو کسی کو بیمار، کسی کو خوبصورت بنایا تو کسی کو بدشکل اور اس خلافت ارضی اور انسانوں میں فرق کے مراتب رکھنے کی مصلحت یہ تھی کہ ہم اس طرح تمہاری آزمائش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ آزمائش کہ تم کہاں تک ہمارے دیئے ہوئے اختیارات کو صحیح استعمال کرتے ہو، کہاں تک ہماری نعمت کا شکر ادا کرتے ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے میں کہاں تک ہماری دی ہوئی ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہماری ان تین صفتوں کو بھی فراموش نہ کرو۔ ایک تو یہ کہ ہم بہت جلد سزا دینے والے ہیں اور یہ صفت ہماری نافرمانوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے ہم بہت مغفرت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کے حق میں جو گناہ کی زندگی کو چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور تیسرے ہم رحمت کرنے والے ہیں اور اس کا مظاہرہ ان کے حق میں ہوگا جو دُنیا میں ہماری نیابت کا صحیح صحیح حق ادا کر دیں گے۔

Marfat.com

دُعا کے آداب

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۚ

اپنے پروردگار سے دعا کرو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے بے شک وُہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۵۵

دُعا عبادت کی رُوح اور اس کا عِطر ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ غرضمندی اور مطلب برآری کی بات نہیں۔ عبد اور معبُود، بندے اور خدا کے درمیان محبّت اور تعلق کی بات ہے۔ اسلام کا خدا مانگنے سے ناراض نہیں ہوتا، نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ عربی زبان کے ایک شاعر نے بندے اور خدا کا ایک عجیب فرق بیان کیا ہے کہ سخی سے سخی انسان ہو تب بھی اس سے بار بار مانگا جائے تو وُہ خفا ہو جاتا ہے لیکن خدا کا مُعاملہ یہ ہے کہ اس سے بار بار مانگو تو وہ خوش ہوتا ہے اور مانگنا چھوڑ دو تو ناراض۔ اکبر الٰہ آبادی نے اسی بات کو یُوں بیان کیا ہے کہ ؎

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبرؔ
یہی وُہ در ہے کہ ذِلّت نہیں سوال کے بعد

اس آیتِ پاک میں دُعا کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ سب سے پہلے ربکم کا لفظ استعمال کر کے یہ سمجھایا ہے کہ جس سے مانگ رہے ہو وُہ کوئی ظالم و جابر طاقت نہیں تمھارا رب ہے وُہ جو تمھیں پالتا ہے اور تمھاری تمام مادّی اور رُوحانی ضرورتوں کا کفیل ہے۔ اس لیے مانگتے وقت جھجکو مت۔ اس کی ربوبیّت اور شانِ پروردگاری کے پیشِ نظر کُھل کر مانگو اور اسے اپنا سمجھ کر مانگو۔

دُوسری بات یہ کہی کہ مانگنے کا طریقہ عاجزانہ ہو ویسا انداز نہ ہو جیسے کوئی بے معنی قسم

Marfat.com

کے جنتر منتر زبان سے ادا کر رہا ہو۔ دُعا عبادت ہے اور عبادت کی جان عاجزی اور فروتنی ہے۔ اس لیے دُعا مانگتے وقت انتہائی خشوع و خضوع اور عجز و انکسار سے کام لینا چاہیے۔

تیسری بات یہ کہی کہ دُعا مانگو تو چُپکے چُپکے۔ چلاّ چلاّ کر دُعا مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ شاید تم اپنے پروردگار کو بہرا سمجھتے ہو، نہیں وُہ تو سمیع و بصیر ہے۔ ہر حال میں دیکھنے والا اور دل کے ارادوں اور نیّتوں کو جاننے والا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ ایسے لوگوں پر آپؐ کا گزر ہُوا جو بہت اُونچی آواز سے دُعا مانگ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جیسے تم پکار رہے ہو نہ تو وُہ گراں گوش ہے اور نہ کہیں دُور، وُہ تو قریب بھی ہے اور خُوب سُنتا بھی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دُعا کے چند آداب ہیں۔ دُعا مانگتے ہُوئے جھجکنا نہیں چاہیے۔ دُعا عاجزانہ طریقے سے مانگی جائے اور چلاّنے کی بجائے چُپکے چُپکے مانگی جائے۔ اگر یہ آداب موجود ہوں تو ایسی دُعا کسی صُورت میں رائیگاں نہیں جاتی یا تو فوراً قبول ہو جاتی ہے یا اسے آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے یا پھر دُنیا ہی میں اس کے طفیل کوئی آنے والی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔

Marfat.com

اِتّحاد بین المسلمین

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۚ

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمّت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

پارہ نمبر ۱۰ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۴۶

اس آیت پاک کے سیاق و سباق میں اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے واقعات بیان کیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی، مسلمانوں کے لیے فوز و فلاح کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول ؐ کی اطاعت کرتے رہیں اور آپس میں متحد و متفق رہیں۔

جہاں تک اللہ اور رسول ؐ کی اطاعت کا تعلق ہے کون مُسلمان ہے جو اس بات سے اتفاق نہ کرے گا کہ دُنیا و آخرت دونوں کی سعادتیں اس پر موقوف ہیں۔ مگر یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہاں اللہ اور رسول ؐ کی اطاعت کے ساتھ ہی اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دین میں اتحاد بین المسلمین کا کیا مقام ہے؟

فرمایا۔ وَلَا تَنَازَعُوْا آپس میں جھگڑا مت کرو۔ ہو سکتا ہے کسی مسئلہ پر تمہارے درمیان اختلافِ رائے ہو جائے لیکن اس اختلاف کو نزاع اور مخالفت و مخاصمت کا رنگ نہ دو۔ اگر ایسا کرو گے تو اس کے دو نقصانات ہیں۔ ایک تو یہ کہ داخلی اور اندرونی طور پر تم پست ہمت ہو جاؤ گے کیونکہ قوت منتشر ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ پست ہمّتی

Marfat.com

ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ تمھاری یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کی وجہ سے دشمنوں کے دلوں پر تمھارا جو رعب بیٹھا ہوا ہے۔ وہ جاتا رہے گا۔ ذرّے جب بکھر جائیں تو انھیں ہوا کا ذرا سا جھونکا اُڑا لے جاتا ہے۔ لیکن جب یہی ذرّے اکٹھے ہو جائیں تو یہ ایک ناقابلِ عبور ریگستان بن جاتے ہیں۔ اسی طرح تم اگر اندرونی کش مکش اور داخلی نزاعات میں مبتلا ہو گئے تو دشمن کے لیے لقمۂ تر بن جاؤ گے اور نظم و طاعت کی لڑی میں منسلک رہے تو انشاء اللہ دُنیا میں تمھارا ہی بول بالا ہو گا۔

فرمایا۔ کبھی کبھی باہم افراد میں یا امیر کے ساتھ کسی کو اختلاف ہو جاتا ہے۔ اپنی طبیعت اور ذوق کے خلاف کوئی مسئلہ سامنے آجاتا ہے یا کوئی ناگوار صورت حال پیش نظر ہوتی ہے تو اس وقت برداشت سے کام لینا چاہیے اور اس پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ صبر کرتے ہیں وہ انھیں تنہا نہیں چھوڑتا۔ اس کی نصرت ان کی تمام پریشانیوں کا علاج بن کر رہتی ہے۔

Marfat.com

مُسلمانوں کا باہمی تعلّق

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دُوسرے کے مددگار ہیں۔"

پارہ نمبر ۱۰ رکوع نمبر ۱۵ آیت نمبر ۷۱ کا ٹکڑا

اسلامی معاشرہ کی ایک امتیازی خصوصیّت یہ ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کے مددگار اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان کی مثال عمارتی اینٹوں کی سی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسری کی سہارا ہے یا جسم کے اعضاء کی مانند کہ ایک عضو میں تکلیف ہو جائے تو سارا جسم بے چین اور بیقرار ہو جاتا ہے۔ باہمی تعاون اور امداد تو ان کا ایسا وصف ہے کہ یہ کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا۔ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وُہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ مظلُوم کی امداد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ فرمایا۔ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرو۔

قرآنِ حکیم سے اہلِ ایمان کے اس باہمی امداد و تعاون کی جو تفصیل معلُوم ہوتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں ایک دُوسرے کی خامیاں اور خرابیاں دُور کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ کمزوریاں دُور کرنے کی یہ کوشش انتہائی ہمدردانہ ہونی چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس بات کو انتہائی حسین انداز میں بیان فرمایا ہے۔ فرمایا، مومن اپنے دُوسرے

Marfat.com

مومن بھائی کا آئینہ ہے۔ آئینہ کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ خامی اور خوبی بیان کرنے میں مبالغہ نہیں کرتا، اتنی ہی خامی اور خوبی بیان کرتا ہے۔ جتنی آئینہ دیکھنے والے میں ہوتی ہے۔ پھر یہ جو بات کرتا ہے سامنے کرتا ہے۔ پیٹھ پیچھے خاموش ہو جاتا ہے پھر یہ جو داغ دکھاتا ہے، دیکھنے والا اس کا برا نہیں مانتا۔

آیتِ کریمہ سے سبق یہ ملا کہ اہلِ ایمان کو ایک دوسرے کا ہمدرد و غمگسار ہونا چاہیے۔ یہ ان کا وصفِ امتیازی ہے جس طرح برف سے ٹھنڈک اور سورج سے روشنی جدا نہیں ہو سکتی اسی طرح مسلمانوں کو بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

قرآنِ حکیم کی خصوصیات

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آچکی ہے اور ان بیماریوں کے لیے شفاء بھی جو سینہ میں ہوتی ہیں اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت۔"

پارہ نمبر ۱۱ سورۃ ۱۰ آیت نمبر ۵۷

بنی نوعِ انسان پر اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان یہ ہے کہ اس نے اسے قرآنِ حکیم جیسی نعمت سے سرفراز فرمایا، اس آیتِ پاک میں قرآنِ حکیم نے ہم سے خود اپنا تعارف کرایا ہے۔ فرمایا۔ یہ نصیحت اور موعظت بھی ہے۔ دل کے روگوں کے لیے شفا بھی اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت بھی۔ مشہور مفسّر امام رازی نے لکھا ہے کہ قرآنِ حکیم نے اپنی اس چہار گانہ تعریف میں دراصل انسانی ارتقاء کے چار مراحل اور مقامات کا ذکر کیا ہے۔ انسانی ارتقاء کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر ہر قسم کی خرابیوں سے پاک ہو جائے۔ قرآنِ حکیم یہ کام موعظت یعنی نصیحت کے ذریعے کرتا ہے۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ظاہر کے ساتھ ساتھ انسان کا باطن بھی برائیوں سے پاک ہو۔ اسی کو فرمایا کہ یہ سینہ کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ فکر و نظر اور خیالات و عقائد کی دنیا میں بھی حقیقی انقلاب برپا ہو جائے۔ اسے قرآنِ حکیم نے ہدایت سے تعبیر کیا ہے اور چوتھا اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ ان ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے انسان رضائے الٰہی

Marfat.com

سے ہم کنار اور نجات سے سرفراز ہو یہی رحمت کی منزل ہے مطلب یہ ہوا کہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات انسانی ارتقا کے سبھی گوشوں پر حاوی ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس نسخۂ کیمیا کے بغیر عظمتِ انسانیّت کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔

آخر میں وُہ شرط بھی بیان کر دی جس کے بغیر قرآنِ حکیم کی ان خصوصیات سے فیض حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ فرمایا شرط یہ ہے کہ ایمان دل میں موجود ہو، اگر یہ بنیاد ہی نہ ہوگی تو اس پر عمارت کیسے تعمیر کی جا سکتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کا فیض سب کے لیے ہے مگر جس طرح بارش سے زمین کا وہ حصّہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا جہاں سیم اور تھور ہے جس طرح سُورج کی روشنی اسے نہیں ملتی جو اندھا ہے۔ اسی طرح قرآن کی برکتوں سے اس شخص کو کوئی حصّہ نہیں ملتا جو ایمان اور یقین سے محروم ہے۔

Marfat.com

فرعون کی لاش

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۠

"سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دے دیں گے تاکہ تُو بعد میں آنے والوں کے لیے نشانی بن جائے اور بے شبہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔"

پارہ نمبر ۱۱ رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۹۲

یہ آیتِ پاک فرعون کے متعلق ہے۔ اِس میں فرعون کا جو آج سے تقریباً بائیس سو سال پہلے حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ہو گزرا ہے اور آپ کا تعاقب کرتے ہُوئے غرق ہو گیا تھا، ذِکر ہے۔

قرآنِ حکیم نے اس آیت میں فرعون سے خطاب کرتے ہُوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کی لاش غرق ہونے کے بعد محفوظ رہے گی تاکہ دنیا کو یاد رہے کہ جھُوٹی خدائیوں کا انجام کتنا حسرتناک ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے یہ دعویٰ کیا تو عرصۂ دراز تک لوگوں کو اس کی حقیقت کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ بعض مخالفین اسلام نے تو طنز و استہزا سے کام لیتے ہُوئے صداقتِ قرآنی کو جھٹلانے کی کوشش بھی کی مگر آخر کار وُہ وقت آ گیا جو قدرت کی طرف سے حقیقتِ حال کے انکشاف کے لیے متعیّن ہو چکا تھا۔ آج سے تقریباً نوّے سال قبل ۱۸۸۱ئہ میں قدیم مصری قبرستان کی کھدائی کرتے ہُوئے انگریز ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو ایک پتھّر کا صندوق دستیاب ہُوا اسے کھولا گیا تو اس میں پانچ لاشیں

Marfat.com

قدیم سائنٹفک طریقوں سے محفوظ تھیں۔ ہر لاش کے ساتھ ایک تختی تھی جس پر اس کا مختصر حال درج تھا اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق[1] انہی میں سے ایک لاش اس فرعونِ مصر کی تھی جس کا ذکر قرآنِ حکیم نے اس آیتِ پاک میں فرمایا ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ حکیم کا ہر دعویٰ سچّا ہے۔ علمی تحقیقات کے فروغ کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ دُنیا اس کے ہر دعوے پر آمنّا و صدّقنا کہے گی۔ اس لیے آج اگر اس کی بیان کردہ کوئی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی تو جلد بازی نہ کیجیے وقت آئے گا کہ وُہ حقیقت خود بخود نگاہوں پر آشکار ہو جائے گی۔

[1]: انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۱۷ نواں ایڈیشن ص ۲۲

Marfat.com

روزی کا مسئلہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ وُہ جانتا ہے کہ کون کہاں رہتا ہے اور کہاں سونپا جاتا ہے۔ سب کچھ ایک واضح دفتر میں لکھا ہوا ہے۔

پارہ نمبر ۱۲ سورہ ھود آیت نمبر ۶

یہ بات قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ بیان ہُوئی ہے کہ ہر انسان کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے اور اسلامی عقائد میں یہ ایک ایسی مانی ہُوئی حقیقت ہے کہ اس سے کسی مُسلمان کو مجالِ انکار نہیں لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وُہ سوال یہ ہے کہ جب ہر انسان کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذِمّہ ہے تو ایسا کیوں ہے کہ دُنیا میں بے شمار لوگ بھوک کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں اور کوئی ان کا پُرسانِ حال نہیں ہوتا اور ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ تو سر بفلک محلوں میں رہتے ہیں اور کچھ لوگوں کو سر چھپانے کے لیے جھونپڑیاں تک نصیب نہیں ہوتیں، اگر روزی اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے تو آخر وُہ سب کو روزی کیوں نہیں دیتا۔

اس سوال کا جواب پانے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجُود کا اظہار کس طرح کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ویسے تو اسے کوئی شخص دیکھ نہیں سکتا۔ اسے دیکھنا ہو تو مظاہرِ کائنات کو دیکھنا چاہیے کہ ان سے اس کی ذات کا سراغ ملتا ہے یا پھر وہ اس معاشرہ میں نظر آتا ہے جو اس کے احکام اور اس کے عطا کردہ نظام کی بُنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔

Marfat.com

دوسرے لفظوں میں جب قرآن یہ کہتا ہے کہ ہر شخص کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمّے ہے تو اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی روزی اس معاشرہ کے ذمّہ ہے جو خدا پر ایمان رکھنے کا مدّعی ہے جب تک کوئی معاشرہ اپنے افراد کے لیے باعزّت روزی کا انتظام نہیں کرتا اسے کامل اسلامی معاشرہ کہلانے کا حق نہیں پہنچتا۔ اسلامی معاشرہ کی ایک اہم خصوصیّت یہ بھی ہے کہ اس میں ظالمانہ اُونچ نیچ کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس ارشادِ ربّانی کی رُو سے دُنیا بھر کے مُسلمان ملکوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے فلاحی معاشی نظام کو رائج کر کے اپنے اپنے معاشروں کے ذریعے سے قرآن کے اس وعدۂ رزق کو عملی جامہ پہنائیں۔

Marfat.com

ناپ تول میں کمی

وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

اے میری قوم! ناپ تول ٹھیک کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔

پارہ نمبر ۱۲ سورہ نمبر ۱۱ آیت نمبر ۸۵

یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر کا ایک فقرہ ہے جو انھوں نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی۔ قوم مدین اس زمانے میں ایک تجارت پیشہ قوم تھی اور اس کے اکثر افراد ناپ تول میں بددیانتی کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا تو اس نے اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں کو بتایا کہ اگر تم ان حرکتوں سے باز نہ آؤ گے تو تمھاری سوسائٹی عدل سے محروم ہو کر عدم توازن کا شکار ہو جائے گی اور اس طرح جو فساد اور انتشار پھیلے گا اس کے نتائج نہایت خطرناک اور تباہ کن ہوں گے۔

مذہب کے بارے میں عام طور پر تصوّر یہی رہا ہے کہ یہ صرف پوجا پاٹ یا رکوع و سجود سے بحث کرتا ہے۔ دنیا کے معاملات اس کے دائرے سے خارج ہیں لیکن قرآن اس مذہبیّت کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ ایک جامع نظامِ حیات ہے وہ محض مسجد ہی کے بارے میں ہدایات نہیں دیتا، بازار کے معاملات میں بھی ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ اس آفتاب جہاں تاب کی روشنی سے محروم نہیں۔ تجارت ہی کو لے لیجیے، یہ بظاہر دنیا داری

Marfat.com

نظر آتی ہے۔ لیکن حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی تاجر دیانت و امانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے تو وُہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے ناپ تول اور تجارتی لین دین میں بددیانتی کو سخت گناہ قرار دیا ہے اور یہاں تک تصریح کی ہے کہ بعض قومیں صرف اسی وجہ سے خدا کے عذاب کا نشانہ بنیں کہ ان کے تجارتی معاملات صاف اور درست نہیں تھے۔

حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ لین دین کے معاملات میں پاکیزگی اور دیانت دِین کا بنیادی تقاضا ہے جو معاشرہ اس سے محروم ہے اسے اسلامی معاشرہ کہلانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

Marfat.com

مُستقبل کی سواریاں

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

اور اسی نے گھوڑے خچّر اور گدھے پیدا کیے تاکہ ان پر سواری کرو اور یہ تمھارے لیے زینت بھی ہیں اور وُہ ایسی سواریاں بھی پیدا کرے گا جنھیں تم نہیں جانتے۔

پارہ نمبر ۱۴ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۸

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسُول پر جو عظیم الشان کتاب نازل کی ہے۔ اس میں جس طرح ساتویں صدی کے مسائل کا حل موجود ہے اسی طرح بیسویں اور اکیسویں صدی کے مسائل کا حل بھی موجُود ہے۔ اس کتاب سے جس طرح قدیم انسان تسلّی و تشفّی پاتا تھا، اسی طرح جدید انسان بھی نورِ ہدایت پاتا ہے۔ بلکہ سچ پوچھیے تو اس کے نزدیک قدیم و جدید کی تفریق ہی باطل ہے۔ قدیم و جدید کے بارے میں اس کا نظریہ وُہ ہے جسے اقبال نے ان لفظوں میں پیش کیا ہے کہ ؎

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصّۂ جدید و قدیم

جدید و قدیم مسائل کا کامیاب حل پیش کرنے والی اس کتاب نے اپنے بلیغ اشارات کے ذریعے سے سائنس کے میدان میں بھی ان حیرت انگیز ایجادات کی پیش گوئی کی ہے جو قیامت تک منصّۂ شہود پر آئیں گی اور اس طرح اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم

Marfat.com

دی ہے کہ اس میدان میں بھی امامت اور قیادت کے منصب پر فائز ہوں۔

اسی آیت پاک کو لیجیے۔ اس کے نزول کے وقت دنیا میں بار برداری اور سواری کے لیے یا تو گھوڑے خچر گدھے اور اونٹ وغیرہ استعمال ہوتے تھے یا کشتی اور سمندری جہاز۔ اس وقت ٹرین، کار اور ہوائی جہاز کا تصوّر بھی موجود نہ تھا اور لوگوں کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس وقت جو سواریاں موجود ہیں ان کے سوا بھی نئی سواریاں ایجاد ہوسکتی ہیں۔ مگر قرآنِ حکیم نے یہ کہہ کر کہ یخلق ما لا تعلمون۔ وہ ایسی سواریاں پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے، نہ صرف ریل، موٹر اور ہوائی جہاز کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے بلکہ ان سواریوں کا امکان بھی اس میں بطور اشارہ موجود ہے۔ جن کے ذریعے سے کل سیّاروں تک سفر ہوگا اور یہ سب سواریاں آیت کے اس ایک ٹکڑے سے ثابت ہیں۔

Marfat.com

قیامت کا زلزلہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ
عَظِيْمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ
وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو کیونکہ قیامت کے دن کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے جس روز تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور لوگ تجھے نشے میں دکھائی دیں گے۔

پارہ نمبر ۱۷ رکوع نمبر ۸ آیت نمبر ۱، ۲

زمین کا اندرونی حصہ نہایت گرم سیّال کی صورت میں ہے جس کا اظہار کبھی کبھی آتش فشاں پہاڑوں سے نکلنے والے لاوے کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔ یہ لاوا زمین کو متاثر کرتا ہے تو گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دیتی ہے اور جھٹکے محسوس ہوتے ہیں۔

ہم سرخ پگھلے ہوئے گرم مادّے کے اوپر آباد ہیں۔ جس سے صرف پچاس کیلومیٹر کی ایک پتلی سی چٹانی تہ ہم کو الگ کرتی ہے اور یہ تہ زمین کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے سیب کے اوپر اس کا باریک چھلکا۔ ایک جغرافیہ دان کے بقول ہمارے آباد شہروں اور نیلے سمندروں کے نیچے ایک قدرتی جہنّم دہک رہا ہے۔ ہم ایک عظیم ڈائنامیٹ کے اوپر کھڑے ہیں۔

تاریخ نے مختلف ادوار میں جو چند بڑے زلزلے ریکارڈ کیے ہیں۔ ان کی تفصیلات

Marfat.com

پر غور کیا جائے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ بھی ایک چھوٹے پیمانے کی قیامت تھے۔ اچانک گڑگڑاہٹ ہوئی زمین پھٹ گئی اور عالی شان مکان اور بنگلے اس آتشیں سیلاب میں غرق ہو کر رہ گئے۔ لاکھوں انسانوں اور مویشیوں کی لاشیں اس طرح بکھری پڑی تھیں، جیسے ساحل کے کنارے مری ہوئی مچھلیوں کے ڈھیر ہوتے ہیں۔

انسانی علوم نے کیا کچھ ترقی نہیں کر لی۔ مگر ابھی تک کوئی ذریعہ ایسا ایجاد نہیں ہو سکا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ زلزلہ کب اور کہاں آئے گا۔ انسان اس معاملے میں قدرت کے سامنے بے بس نظر آتا ہے مگر اس بے بسی کے باوجود وہ یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ کہیں یہ زلزلے اس آنے والی بڑی قیامت کی پیشگی اطلاع تو نہیں۔

قرآن حکیم نے اسی لیے اس آیت میں زلزلہ کی مثال دے کر یہ سمجھایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمھارے مشاہدے کے مطابق جب چاہتا ہے کائنات کے نظام کو توڑ دیتا ہے اور زلزلے کی صورت میں قیامت کو اس کی ابتدائی شکل میں تمھارے سامنے لاتا رہتا ہے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے اگر وہ زلزلے کی اس انتہائی شکل کو ایک دن تمھارے سامنے لے آئے جس کا نام قیامت ہے۔

Marfat.com

قلب کا عمل

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُہَا وَلَا دِمَآؤُہَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط

خدا تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون بلکہ اس تک تو صرف تمھارا تقوٰی پہنچتا ہے۔

پارہ نمبر ۱۷ رکوع نمبر ۱۲ آیت نمبر ۳ کا ٹکڑا

یہ آیتِ پاک بظاہر جانوروں کی قربانی سے متعلق ہے مگر اس میں اسلام کے فلسفۂ عبادت کی پوری رُوح سمٹ آئی ہے۔ فرمایا یہ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو نہ ان جانوروں کے گوشت کی ضرورت ہے نہ خون کی۔ اس کی بارگاہ میں نہ تو ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون، وُہ تو اس جذبے اور نیّت کو دیکھتا ہے جس کے تحت یہ قربانی کی جاتی ہے۔ اگر اس سے مقصُود محض اس کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے تو یہ قربانی قبول ہے اور کہیں اس کے پیچھے نام و نمود، ریا اور نمائش یا کوئی اور ذاتی اور نفسانی مفاد ہے تو یہ دولت کا ضیاع ہے اور اس پر اجر ملنا تو ایک طرف رہا اُلٹا ڈر ہے کہ کہیں اس پر پکڑ اور گرفت ہی نہ ہو جائے۔

اور یہ صرف قربانی ہی پر موقوف نہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے تمام اعمال و عبادات کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر ان سب کی تہ میں نیّت خدا اور رسُول کی اطاعت کی کارفرما ہے تو ان کے ثواب کا کیا ٹھکانا، دُنیا میں سکُونِ قلب عطا ہوگا اور آخرت میں انعام و اکرام لیکن اگر یہ حقیقی رُوح اور خالص اور پاک جذبہ سے خالی

Marfat.com

ہوئے تو پھر یہ ایک ایسا پھول ہوں گے جس میں خوشبو نہ ہو اور ایک ایسا جسم ہوں گے جس میں جان نہ ہو۔

اسلام نے اعمال میں نیّت کو اوّلین اہمیت عطا کی ہے۔ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الاعمال بالنیات۔ تمام اعمال کا دار و مدار نیّت پر ہے گویا نیّت جڑ ہے اور عمل باہر نظر آنے والا درخت۔ نیّت بنیاد ہے اور عمل اس پر اُٹھنے والی عمارت۔ نیّت بیج ہے اور عمل اس سے پھُوٹنے والا پودا۔ یا دُوسرے لفظوں میں یُوں کہنا چاہیے کہ ہر عمل کے دو حصّے ہیں پہلے اس کی نیّت کی جاتی ہے اور یہ قلب کا عمل ہے پھر اس کا اظہار ہوتا ہے، یہ اعضاو جوارح کا عمل ہے۔ اسلام اعضاو جوارح کے عمل سے بھی زیادہ قلب کے عمل کو اہمیّت دیتا ہے اور اس کے نزدیک عبادت وہی مقبول ہے جو خلوص اور حُسنِ نیّت پر مبنی ہو۔

Marfat.com

کبر و غرور

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ج

اور لوگوں سے بے رُخی نہ کر اور زمین پر اترا کر نہ چل اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔

پارہ نمبر ۲۱ رکوع نمبر ۱۱ آیت نمبر ۱۸

اس آیتِ کریمہ میں وہ نصیحت بیان کی گئی ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔ حضرت لقمان عالمِ عرب میں ایک حکیم اور فلسفی کی حیثیت سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ اس میں اگرچہ اختلاف ہے کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں لیکن قرآنِ حکیم نے ان کا ذکر ایک صاحبِ حکمت ہونے کی وجہ سے بڑی عزّت کے ساتھ کیا ہے۔

پہلی بات یہ کہی کہ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔ صَعَر عربی زبان میں اُونٹ کی ایک بیماری کا نام ہے جس میں وُہ اپنی گردن ہر وقت ایک ہی طرف پھیرے رکھتا ہے مطلب یہ ہُوا کہ لوگوں سے مُنہ پھیر کر بے رُخی کے ساتھ بات نہ کرو۔ توجّہ اور تواضع کے ساتھ بات کرو۔

دُوسری بات یہ کہی کہ اکڑ اکڑ کر نہ چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی مختال اور فخور کو پسند نہیں کرتا۔ مختال عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کی چال ڈھال اور اعمال و افعال سے تکبّر کا اظہار ہوتا ہو اور فخور وُہ ہے جو زبان سے بھی بڑائی کا چرچا کرتا ہو۔ مطلب یہ

Marfat.com

ہوا کہ اعمال و اقوال دونوں سے رعب گانٹھنے کی کوشش نہ کرو۔

آیتِ کریمہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ اسلام میں تکبّر سخت ناپسندیدہ چیز ہے وہ اس بات کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے کہ کوئی شخص دوسروں کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھے، انسانِ کامل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی کبر و غرور ہے وہ جنّت میں نہیں جائے گا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تکبّر سے محفوظ رکھے۔

Marfat.com

گفتار و رفتار

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۠

اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور آہستہ بول۔ آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

پارہ نمبر ۲۱ رکوع نمبر ۱۱ آیت ۱۹

اسلام زندگی کے جُملہ معاملات میں اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے اُمّتِ مسلمہ کو "اُمَّۃً وَّسَطًا" بیچ کی اُمّت کہہ کر یاد کیا ہے۔ اعتدال اور میانہ روی کی یہ تعلیم عبادت میں بھی ہے کہ نہ تو آدمی اتنی عبادت کرے کہ دوسرے فرائض کو پسِ پُشت ڈال دے اور نہ اتنی کم کہ اپنے مالک ہی کو فراموش کر بیٹھے اور اعتدال کی یہ تعلیم رفتار اور گفتار میں بھی ہے تاکہ شخصیّت کا وقار بحال رہے اور دیکھنے والا بدسلیقگی اور کم ذوقی کے تاثّر میں مبتلا نہ ہو۔

جہاں تک گفتار اور رفتار میں تیزی اور آہستگی کا تعلق ہے۔ ضرورت کے پیشِ نظر اس میں سے کوئی سا بھی انداز اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن بعض لوگ اس میں بھی تکبّر کا مظاہرہ کیے بغیر نہیں رہتے یا تو اکڑ کر چلیں گے یا سر جھکائے عاجزی کے ساتھ ایسے مسکین بن کر جیسے ان سے بڑھ کر کوئی متواضع اور خاکسار ہی نہیں۔ اسی طرح بولتے وقت بعض لوگ دُوسروں کو مرعُوب کرنے کے لیے خواہ مخواہ بآوازِ بلند بولنے لگتے ہیں یا ایسے دھیمے لب و لہجہ کے ساتھ کہ یہ محسوس ہو کہ یہ عاجزی اور فروتنی تو اسی ...

Marfat.com

اوڑھنا بچھونا بن چکی ہے۔

فرمایا۔ جو کوئی تکبّر کے باعث اونچی آواز سے بولتا ہے اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ بلند آواز تو گدھے کی بھی ہے لیکن کوئی خوش ذوق انسان اسے پسند نہیں کر سکتا اور جو کوئی اکڑ کے چلتا ہے اسے یہ خیال رہنا چاہیے کہ نہ تو وہ اپنی چال سے زمین کا سینہ ہی پھاڑ سکتا ہے اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکے گا۔ اس لیے معقولیّت کا تقاضا یہی ہے کہ رفتار اور گفتار میں بناوٹ، تصنّع اور ریاکاری سے احتراز کیا جائے اور زندگی کے جُملہ معاملات کی طرح اس سلسلے میں بھی اعتدال و میانہ روی کی راہ اختیار کی جائے۔

Marfat.com

راست گوئی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ

اے اہلِ ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور صاف سیدھی بات کرو۔

پارہ نمبر ۲۲ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۷۰

آیتِ کریمہ کے اس ٹکڑے میں دو بنیادی نیکیوں کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک تقویٰ، دوسرے راست گوئی۔ تقویٰ خدا کے خوف سے عبارت ہے۔ مگر یہ وہ خوف نہیں جو دہشت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، جیسے ہم کسی خوفناک اور ڈراؤنی چیز سے ڈر جایا کرتے ہیں، بلکہ یہ وہ خوف ہے جو عظمت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے جیسے ہم اپنے استاد یا اپنے والد کی بڑائی اور بزرگی کے باعث اپنے دل میں ایک گونہ ڈر محسوس کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے جس شخص کے دل میں خدا کا خوف نہیں بالفاظِ دگر جو تقویٰ کی صفت سے محروم ہے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ قرآنِ حکیم ایک جگہ اپنے متعلق کہتا ہے کہ میں ھُدًی لِلنَّاس ہوں۔ انسانوں کے لیے ہدایت ہوں۔ دوسری جگہ کہتا ہے ھُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ۔ میں خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہوں معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک انسان وہی ہے جو متقی ہو اور جس کے دل میں خدا کا خوف پایا جاتا ہو۔

اس آیتِ کریمہ میں دوسری بنیادی نیکی راست گوئی ہے۔ غلط اور جھوٹی بات سے بچنا اور صاف سیدھی بات کرنا قرآن کے نزدیک اصلاحِ اعمال کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے کا واقعہ ہے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں سخت گنہگار ہوں، زنا بھی کرتا ہوں، شراب بھی پیتا ہوں، جھوٹ بھی بولتا ہوں، دنیا کا کوئی عیب ایسا نہیں جو مجھ میں نہ ہو۔ فرمائیے اصلاحِ احوال

Marfat.com

کے لیے کیا کروں، معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم مجھ سے وعدہ کرو جو کچھ کہوں گا اس پر عمل کرو گے۔ اس نے وعدہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ جھوٹ بولنا چھوڑ دو، ہمیشہ سچ بولو اور دن بھر میں جو جو کام کرو مجھے اس کی اطّلاع دیتے رہو۔ وہ چلا گیا۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں، کوئی غلط کام کرنے لگتا تو یہ خیال دامنگیر ہو جاتا کہ مجھے رسُولِ خدا کے حضور اپنی کارکردگی پیش کرنی ہے۔ جھُوٹ بول نہیں سکتا۔ اس غلط کام کی اطلاع دوں گا تو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس احساس نے اسے آہستہ آہستہ تمام خرابیوں سے پاک صاف کر دیا، اور راست گوئی اور درست بیانی کے وصف نے اس کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔

اصلاحِ اعمال میں سچّائی کی یہی اہمیت ہے جس کے پیشِ نظر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب گناہوں سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ زبان کو روک لو۔ ایک اور مقام پر فرمایا جب ابنِ آدم صبح کرتا ہے تو جسم کے تمام اعضاء زبان سے کہتے ہیں: خدا سے ڈرتی رہیو، ہم تیرے ساتھ ہیں تُو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے۔ تُو ٹیڑھی چلی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

Marfat.com

مُنکرینِ قرآن کی ذہنیّت

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ۝

قسم ہے اس قرآن سمجھانے والے کی جو لوگ منکر ہیں وہی غرور اور مقابلے کی روش اختیار کیے ہُوئے ہیں۔

پارہ نمبر ۲۳ سورۃ نمبر ۳۸ آیت نمبر ۱، ۲

اس آیتِ پاک میں منکرینِ رسالت اور منکرینِ قرآن کی ذہنیّت پر بڑا بلیغ تبصرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا ان کے انکار اور سرکشی کا ذمّہ دار قرآن نہیں یہ تو ذی الذکر ہے خوب سمجھانے والا ہے۔ اس میں ایک ایک بات خُوب کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔ کوئی اشکال ایسا نہیں جو حل نہ کر دیا گیا ہو اور کوئی الجھن نہیں جسے سُلجھا نہ دیا گیا ہو۔ ان کے انکار کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ غرور و تکبّر میں مبتلا ہیں اور جب آدمی اس بلائے بد کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر صراطِ مستقیم سے بہت دُور جا پڑتا ہے۔ جس طرح بارش ہونے کے باوجود بنجر زمین میں روئیدگی نہیں ہوتی۔ آفتاب عالم تاب کی روشنی کے باوجود اندھوں کو سُجھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح انوارِ قرآنی کے باوجُود ان کے ذہنوں کی تاریکی دُور نہیں ہوتی۔

اسلام نے غرور و تکبّر کو سخت ناپسند کیا ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا گناہ ابلیس نے کیا اور وُہ یہ تھا کہ وُہ انسانِ اوّل کے مقابلے میں اکڑ گیا۔ اسے جھکنے کا حکم ملا مگر اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے انا خیرٌ منہُ میں اس سے بہتر ہُوں۔ اس کبر و غرور کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بارگاہِ خداوندی سے مقہُور و مردُود قرار دے دیا گیا۔

Marfat.com

دنیا میں جو سب سے پہلا گناہ ہوا وہ یہی کبر و غرور کا گناہ تھا۔

کبر و غرور قلب و دماغ کی جس مخصوص کیفیت کا نام ہے۔ اس میں محض اپنی بڑائی ہی پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ متکبّر آدمی دوسروں کی تحقیر بھی ضرور کرتا ہے اسی لیے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ تکبّر یہ ہے کہ حق کو قبول نہ کیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔ عہدِ رسالت میں کچھ لوگ اس بیماری میں مبتلا ہوئے تو ان کے باعث عمر بھر کفر و شرک کی دلدل سے نہ نکل سکے اور آج بھی اگر کسی دل میں یہ بیماری پیدا ہو جائے گی تو اس پر بھی فوز و فلاح کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔

Marfat.com

خوف اور اُمّید کے درمیان

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ط

کیا وہ شخص جو اللہ کو دل کی گہرائیوں سے یاد کرنے والا ہے۔ رات کے اوقات میں اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور اس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب سے رحمت کی امید رکھتا ہے۔

پارہ نمبر ۲۳ سورہ زمر آیت نمبر ۹

آیت کریمہ کے اس ٹکڑے میں ایک مومن کی نفسیاتی تصویر نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے معاملے میں وہ بے حد مخلص ہے اور اس وقت بھی جبکہ رات کی تنہائیوں میں وہ اکیلا ہوتا ہے اسے یاد کرتا، اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے، مگر اس سارے خلوص کے باوجود اس کی قلبی اور اندرونی کیفیت یہ ہے کہ اس عبادت بے ریا پر غرور و تکبّر کرنے کے بجائے یوم آخرت کی باز پُرس سے ڈرتا ہے۔ لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جو اسے مایوسی تک پہنچا دے۔ وہ اس ڈر کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی رحمت کا اُمّیدوار بھی ہے۔ اسے بڑی قوی امید ہے کہ قیامت کے دن اس کا رب اس کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمائے گا۔

ہمارے ہاں عام طور پر لوگ خدا کی ذات و صفات کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں یا تو وہ اسے ایسی قہّار و جبّار ہستی کی شکل میں مانتے ہیں کہ جس کے قہر و غضب سے بچنے کی کوئی صورت ہی نہ ہو یا پھر اسے ایسا رحیم و کریم تصوّر کر لیتے ہیں کہ اس کے

Marfat.com

حضور گناہوں پر سزا ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسلام کے نزدیک یہ دونوں نقطہ ہائے نظر علمی اور عملی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس کے نزدیک حقیقت اور اصلیت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے۔ اسلام کا خدا مالکِ یوم الدین ہے تو اس کے ساتھ رحمٰن اور رحیم بھی ہے۔ اس کا ماننے والا جہاں اس کے احتساب سے لرزاں و ترساں ہے وہاں اس کی رحمت و مغفرت کا طلب گار اور امّید وار بھی ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اسی بات کو یُوں بیان فرمایا کہ مومن کا مقام بیم و رجا کے درمیان ہے ایک طرف اسے اپنے رب سے رحمت کی امّید ہے تو دُوسری طرف اپنی لغزشوں پر گرفت کا خطرہ بھی ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ نہ تو ہم گناہوں کی وجہ سے اتنا ڈریں کہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو جائیں اور نہ اپنی نیکیوں پر اتنا بھروسہ کریں کہ اس کے ڈانڈے تکبّر سے جا ملیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا ہی چھوڑ دیں۔

Marfat.com

ہر چیز کا جوڑا ہے

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○

"اور وُہ کیا ہی پاک ذات ہے جس نے زمین کے نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔"

پارہ نمبر ۲۳ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۳۶

قرآنِ حکیم خدا کا کلام ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ہے۔ اس لیے اس کے معجزات کی کوئی انتہا نہیں۔ علم اور سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے بیان کردہ حقائق عالمِ انسانی پر واضح ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس نے آج سے چودہ سو برس پہلے جو دعوے کیے تھے اب زمانہ آہستہ آہستہ ان کی تصدیق کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پا رہا ہے، اسی آیت کو لے لیجیے جب یہ نازل ہُوئی تو اس وقت دُنیا صرف اتنا ہی شعور رکھتی تھی کہ خدا نے تمام حیوانات میں نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا ہے لیکن قرآنِ حکیم نے کہا، نہیں حقیقت صرف اتنی ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو نباتات میں بھی نر اور مادہ پیدا کیے ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کا جوڑا نہ ہو۔ وحدت اور یکتائی کی شان تو صرف خدا کی ہے۔ باقی جتنی چیزیں ہیں وُہ بھی جو تمھارے سامنے ہیں اور وُہ بھی جنھیں تم نہیں جانتے جو ابھی پردۂ مستقبل میں ہیں، سب جوڑا جوڑا ہیں کیونکہ اس کائنات کا نظام ہی منفی اور مثبت کے اتحاد اور نر اور مادہ کے ملاپ پر ہے۔

ظاہر ہے جب قرآنِ حکیم نے یہ دعویٰ کیا ہو گا تو دُنیا والوں کی سمجھ میں یہ بات

Marfat.com

پوری طرح نہیں آسکی ہوگی۔ مگر آخر سائنس کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ واقعی قرآن کا دعوے سچا تھا۔ حیوانات کی طرح جمادات، نباتات میں بھی نرادرمادہ ہیں۔ یہی نہیں بجلی اور سورج کی شعاعوں میں بھی مثبت اور منفی (پازیٹو اور نیگیٹیو) کے جوڑے ہیں اور مثبت ومنفی کے ملاپ سے یہ سارا کارخانۂ قدرت چل رہا ہے۔

وہ ضرورت سے زیادہ عقل مند لوگ جو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا ثبوت مانگتے ہیں غور کریں تو تنہا یہی دلیل ان کے اطمینان کے لیے کافی ہوگی۔

Marfat.com

فلسفۂ عبادت

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○

تو تجھ پر لازم ہے کہ تُو اللہ کی عبادت کر اور شُکر گزاروں میں سے ہو جا۔

پارہ نمبر ۲۴ سورۂ الزمر آیت نمبر ۶۶

پیچھے سے ذکر شرک کا چلا آ رہا ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی کُنجیاں سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وُہی خالق ہے وُہی رازق۔ اُس نے جتنے بھی انبیاء اور رسُول بھیجے۔ سب کو یہی ہدایت دی کہ وُہ خلقِ خدا کو توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور اس آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ کائنات میں ایک ہی رب کا حکم چل رہا ہے۔ اس نے نیست کو ہست کیا اور عدم کو وجود کا مرتبہ بخشا تو پھر تم پر بھی لازم ہے کہ تم اس کے احسانات کا شُکر ادا کرو اور احسانات کا شُکر یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے اور عبادت میں کسی غیر کو شریک ٹھہراؤ گے تو یہ اس کی لاتعداد اور بے پایاں نعمتوں کی ناشُکری ہو گی۔

اس سے معلُوم ہوا کہ عبادت ادائے شُکر کا دُوسرا نام ہے اور احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکائیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس توفیق کی بھی وہ خود ارزانی فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے کہا۔ اے اللہ! مَیں چاہتا ہُوں کہ تیری نعمتوں کا شُکر ادا کروں۔ مگر یہ ادا کرنے کی توفیق بھی تجھ سے ملے گی۔ پھر اس کا شُکر کیسے ادا کروں گا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

Marfat.com

مری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

امام رازی نے اس عبادت اور شکر کے مسئلے پر ایک عجیب بات لکھی ہے کہا اگر کوئی بادشاہ کسی کو خلعت عطا کرے تو انعام لینے والے کا فرض ہے کہ اس کا شکریہ ادا کرے، بڑے سے بڑا سخی بادشاہ بھی اس شکریہ ادا کرنے پر کچھ نہ دے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ عجیب ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا۔ آنکھ ناک کان زبان دماغ عطا فرمائے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی ان عظیم ترین نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور وہ شکر بھی ہم اس کی عطا کردہ زبان اور اسی کے دیے ہوئے اعضاء سے کرتے ہیں مگر اس کی شان کریمی یہ ہے کہ وہ اس شکر کی ادائیگی پر جنت عطا فرماتا ہے۔ ہمارا عمل محدود تھا مگر ہمیں لامحدود جزا سے سرفراز فرماتا ہے۔

Marfat.com

پُرامن بقائے باہمی

اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ط لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ط لَاحُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ط اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ج وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ○

"اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں، اور تمہارے تمہارے لیے، ہماری کچھ بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع کریگا اور اس کے پاس جانا ہے۔

پارہ نمبر ۲۵ سورۂ الشوریٰ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۱۵

اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے پُرامن بقائے باہمی کو اجتماعی زندگی کی اساس اور بنیاد ٹھہرایا ہے۔ اس کے نزدیک عقیدہ کے معاملے میں جبر اور اکراہ ناجائز ہے فرمایا لا اکراہ فی الدین۔ دین کے معاملے میں کوئی سختی نہیں۔ یہ دل کا سودا ہے جس کا دل مانے کسی عقیدے کو قبول کرے۔ دل نہ مانے قبول نہ کرے۔ یہ تعلیم بھی اس نے دی ہے کہ بتوں تک کو بُرا بھلا نہ کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرکین ناسمجھی کی وجہ سے اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی کر بیٹھیں۔ یہی نہیں اس نے دُوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو ان امور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی دعوت دی جو ان کے درمیان قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں فرمایا۔ یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم۔ اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفق علیہ ہے۔ اس آیتِ پاک میں بھی دوسرے مذاہب کے متعلق قرآنِ حکیم کے اسی فراخدلانہ نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔ فرمایا دین کے معاملے میں ہم تم سے کوئی بحثا بحثی کرنا نہیں چاہتے۔

Marfat.com

ہمارے رسُول نے ہماری بات تم تک پہنچا دی۔ اب اگر تم اسے نہیں مانتے تو تمھارا دین تمھیں مبارک ہمارا دین ہمیں مبارک۔ سچّا کون ہے اس کا فیصلہ وہی رب فرمائے گا جس کے پاس ہم تم سب کو لوٹ کے جانا ہے۔

قرآنِ حکیم میں رواداری کی یہی وہ تعلیم ہے جس کے زیرِ اثر مسلمانوں نے ہمیشہ آدمیّت احترامِ آدمی کے اصول کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ عہدِ رسالت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تو حضور نبیِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے انھیں مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا۔ اور اس کا خیال نہیں کیا کہ یہ توحید کے بجائے تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔

آج جبکہ ایک دُوسرے کے عقائد کا احترام کرنے کے معاملے میں ہمارے ذہنوں کے اُفق روز بروز تنگ ہوتے جارہے ہیں۔ قرآنِ حکیم کی اس تعلیم کو پھر سے تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

از عرش نازک تر

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

"اے ایمان لانے والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے پکار کر بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکار کر کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو"

پارہ نمبر ۲۶ رکوع نمبر ۱۳ آیت نمبر ۲

اس آیت پاک سے فخر موجودات سرور کائنات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بےمثال شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ عرب کے لوگ اپنی بدویانہ زندگی کے باعث تہذیب و شائستگی کے تصورات سے نا آشنا تھے۔ سختی اور درشتی ان کے مزاج کا خاصا تھا۔ مجلس میں اونچی آواز سے گفتگو کرنا ان کا معمول تھا۔ کبھی کبھی ان کے طور طریقوں میں یہ مزاج جھلک اٹھتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں بھی بعض اوقات وہ اونچی آواز سے بولنے لگتے۔ اس پر قرآن حکیم نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ دیکھنا کہیں بات کرتے ہوئے رسول خدا کی آواز سے تمھاری آواز اونچی نہ ہو جائے اور دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ انھیں بھی نام لے کر تم اسی طرح پکارنے لگو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھو تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تمھاری عبادتیں اور ریاضتیں خاک میں مل جائیں گی اور تمھارا خدا تم سے ناراض ہو جائے گا۔

Marfat.com

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ جن کی آواز فطری طور پر بلند تھی، احتیاط کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے۔ حضور سرورِ عالمؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا۔ جو لوگ طبعی طور پر بلند آواز ہیں وہ اس وعید سے مستثنیٰ ہیں۔

آیتِ پاک سے معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالمؐ کا عشق و احترام لازمۂ ایمان ہے۔ آپؐ کا نام نامی اور اسمِ گرامی زبان پر آئے تو پورے ادب سے آئے اور درود و سلام کے ساتھ آئے۔ کیونکہ یہ بہت نازک مقام ہے۔ یہاں ذرا سی بے احتیاطی دین و دُنیا میں کہیں کا نہیں رکھتی۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

Marfat.com

گالی گلوچ

وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِيۡمَانِ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ○

اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔ ایمان لانے کے بعد بدتہذیبی کا نام ہی بُرا ہے اور جو لوگ باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ پارہ نمبر ۲۶ رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۱۱ کا ٹکڑا

قرآن و حدیث کی زبان میں فسوق فحش گوئی اور گالی گلوچ کو کہتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد فسوق میں مبتلا ہونا تو ایک طرف رہا، کسی مسلمان کے لیے اس کا نام بھی پسندیدہ نہیں ہوسکتا وہ اس سے اس طرح نفرت کرتا ہے جیسے صفائی پسند انسان غلاظت سے نفرت کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم کے نزدیک گالی گلوچ صرف گندے الفاظ کا استعمال کرنے کا نام نہیں۔ ہر وُہ کلمہ اور بول جس سے کسی دُوسرے آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے گالی کی تعریف میں داخل ہے۔ بعض لوگ دُوسروں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں یا دوسروں کے نام بگاڑ کر انہیں کسی مضحکہ خیز نام سے پکارتے ہیں۔ یہ دونوں صُورتیں بھی گالی میں داخل ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، عام طور پر لوگ گفتگو میں ایک دُوسرے کے ماں باپ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی

Marfat.com

اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت بھیج سکتا ہے۔ فرمایا: اس طرح کہ جب کوئی کسی کے ماں باپ کو بُرا کہے گا تو وہ بھی اس کے ماں باپ کو بُرا بھلا کہے گا۔ ایک اور مقام پر آپؐ نے ایک مومن کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نہ تو وہ طنز و تشنیع کرتا ہے نہ لعنت بھیجتا ہے اور نہ بدزبانی اور فحش کلامی کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم کے ارشاد اور احادیثِ نبوی کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ فحش گوئی اور بدزبانی اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اور جو شخص صحیح اسلامی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے وہ کبھی بد اخلاقی میں مبتلا ہونا پسند نہیں کرے گا۔

Marfat.com

اسلامی معاشرت

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○

"اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے بُرا کہے۔ بھلا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمھیں گوارا نہ ہوگا اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پارہ نمبر ۲۶ رکوع نمبر ۱۴ آیت نمبر ۱۲ کا ٹکڑا

اس ارشادِ ربّانی میں اسلامی معاشرت کی بعض بنیادی قدروں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فرمایا ہے کہ ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دُوسروں کے عیب تلاش کرتا پھرے اسے اپنے ہی عیب دُور کرنے سے کہاں فرصت ملتی ہے کہ وہ دوسروں کی عیب چینی اور نکتہ چینی میں مبتلا رہے اسی طرح اس کا یہ بھی کام نہیں کہ وُہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرے۔ فرمایا: پیٹھ پیچھے کسی کی بُرائی کرنا ایسے ہے جیسے اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا۔

عیب جوئی اور غیبت دو ایسی خرابیاں ہیں جو ایک معاشرہ میں بغض وعداوت اور دشمنی اور مخالفت کی آگ بھڑکا دیتی ہیں۔ ان سے ایک دوسرے پر اعتماد باقی نہیں رہتا اور کوئی شخص اپنی عزّت دُوسروں کے ہاتھوں محفوظ تصوّر نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام جو ایک مثالی ہمدرد وغمگسار معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ ان خرابیوں کا سخت مخالف ہے۔ عیب جوئی

Marfat.com

کے بارے میں وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ کسی کا عیب نظر پڑے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لو کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمھارے عیوب کی پردہ دری ہو اگر نہیں تو پھر دُوسروں کے لیے اسے پسند نہ کرو۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں اپنے کسی بھائی کے عیب کی پردہ پوشی کرتا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ بھی اس کے عیب کی پردہ پوشی کرے گا اور جو شخص دُنیا میں کسی کے عیب سے پردہ اٹھاتا ہے تو اسے معلوم رہنا چاہیے کہ قیامت میں اس کے عیبوں کو کھول کر اللہ تعالیٰ بھی اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ اسی طرح غیبت کے بارے میں اس کی تعلیم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کی تمام نیکیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ عام طور پر لوگ غیبت کرتے ہُوئے کہتے ہیں یہ بات تو میں فلاں کے منہ پر کہنے کے لیے تیار ہوں لیکن اتنی سی بات سے غیبت کے لیے وجہِ جواز پیدا نہیں ہو سکتی۔ غیبت نام ہی اس چیز کا ہے کہ کسی آدمی میں واقعی وہ بُرائی موجُود ہے جس کا ذکر اس کی پیٹھ پیچھے کیا جا رہا ہے۔ اگر وہ بُرائی موجود نہیں تو پھر یہ بہتان ہے اور اسلامی قانون میں اس کی باقاعدہ سزا مقرر ہے۔

آیتِ پاک کا حاصل یہ ہے کہ ایک مُسلمان کو دُوسرے مُسلمان بھائی کی عزّت کا محافظ ہونا چاہیے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرتا ہے تو قیامت کے دن اس سے سخت باز پُرس کی جائے گی۔

Marfat.com

دُنیا کی زندگی

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ

جان رکھو کہ دُنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور ظاہری زینت اور آپس میں فخر کرنے اور مال و اولاد میں اضافہ کرنے کی خواہش و آرزو کا مقام ہے۔

پارہ نمبر ۲۷ رکوع نمبر ۱۹ آیت نمبر ۲۰ کا ٹکڑا "اولاد" تک

دنیا میں انتہا پسند لوگ ہمیشہ موجود رہے ہیں کچھ وہ ہیں جو نیکی کے شوق میں دنیا ہی کو تیاگ دیتے ہیں اور اس طرح اپنے فرائض سے راہِ فرار اختیار کر لیتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو مادّہ پرستی میں اتنے غرق ہو جاتے ہیں کہ انھیں نیکی کی اعلیٰ اقدار کا خیال ہی نہیں رہتا۔ طلوعِ اسلام کے وقت بھی یہ دونوں ہی طرح کے لوگ موجود تھے۔ اس لیے قرآن حکیم نے کہیں تو دُنیوی فرائض سے فرار اختیار کرنے کی مذمّت کی ہے اور کہیں دُنیا پرستوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اسی فانی اور عارضی زندگی ہی کو سب کچھ نہ سمجھ لیں آنے والی ابدی اور لازوال زندگی کی بھی فکر کریں، اس آیتِ پاک میں بھی رُخ انہی دُنیا پرستوں کی جانب ہے۔

فرمایا۔ دنیا کی یہ زندگی جس کے نشے میں تم نے آخرت کو فراموش کر رکھا ہے۔ ذرا اس کی حقیقت پر غور کرو پیدائش سے لے کر موت تک زیادہ سے زیادہ اسے چار مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا مرحلہ بچپن ہے جس میں کھیل کود کے علاوہ کسی بات میں دل چسپی نہیں ہوتی۔ ذرا بڑے ہوئے جوانی کی سرحد میں قدم رکھا تو اب زیبائش و آرائش کا ذوق پیدا ہوا۔ زینت کا سامان فراہم ہونے لگا۔ رہن سہن اچھا ہوا، عمدہ لباس ملا۔

Marfat.com

زینت کا احساس شعور بیدار ہوا تو فخر و غرور کے مرحلے میں داخل ہو گئے۔ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ اپنے حسب نسب، مال و منال، جاہ و جلال اور جمال و کمال پہ اترانے لگے، یہاں تک کہ چوتھا مرحلہ آ گیا۔ عمر ڈھلنے لگی، زندگی پہ بڑھاپا آ گیا۔ مگر ہوس پہلے سے بھی جوان ہو گئی۔ آرزوؤں پر شباب آ گیا۔ دولت میں ہر آن اضافہ کی دھن سوار ہو گئی، اولاد کو کامیاب بنانے کا سودا سر میں سما گیا یہاں تک کہ موت کا بلاوا آ گیا اور جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا۔

فرمایا۔ جس دنیا کی حقیقت یہ ہو کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کے لیے آخرت کی غیر فانی زندگی کو قربان کر دیا جائے؟

Marfat.com

عادلانہ معاشی نظام

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی
فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی
وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ
بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ

"ان آبادیوں کا جو مال و متاع اللہ نے اپنے رسُول کو عطا کیا ہے وہ اللہ اس کے رسُول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے مخصوص ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ دولت تمھارے صاحبِ ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکّر کھاتی رہ جائے۔"

پارہ نمبر ۲۸ رکوع نمبر ۴ آیت نمبر ۷ کا ٹکڑا

دولت انسانی معاشرہ کے لیے خون کا درجہ رکھتی ہے۔ خون جسم کے کسی ایک حصّہ میں رک جائے گردش نہ کرے تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اسی طرح دولت پُورے معاشرہ میں گردش نہ کرے بس خاص خاص لوگوں کے پاس جمع ہو جائے تو یہ بھی صحت مند معاشرے کی علامت نہیں۔ اس سے طرح طرح کے مفاسد جنم لیتے اور پُرامن اجتماعیت کا شیرازہ درہم برہم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اسلام اس سلسلے میں جو اصُول عطا کرتا ہے وہ اس آیت میں بیان ہُوا ہے اور وہ یہ ہے کہ دولت چند آدمیوں کے درمیان چکّر نہ کاٹتی رہے بلکہ ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے جس میں باعزت طور پر تمام لوگوں کی ضروریات پُوری ہو سکیں۔

Marfat.com

مشہورِ عالم فقیہ حضرت قاضی ابو یوسف راوی ہیں کہ ایران فتح ہُوا تو مسلمان سپاہیوں نے جنابِ سعدؓ بن ابی وقاص کے ذریعے جنابِ فاروقؓ سے مطالبہ کیا تھا کہ مفتوحہ زمینیں ان میں بانٹ دیں۔

مدینہ کے کچھ اکابر اس مطالبہ کے حامی تھے۔ مگر جنابِ فاروقؓ کے نزدیک یہ مطالبہ جائز نہ تھا۔ جنابِ فاروقؓ نے ان کا مطالبہ رد کرتے وقت قرآنِ پاک کی جن آیات سے سند لی تھی، ان میں سے ایک آیت اُوپر مذکور ہوئی ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اسلامی برتری سے حاصل ہونے والی زمینوں کے مستحقین کے ایک گروہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ باقی مستحقین کی فہرست دُوسری ملحقہ آیات میں دی گئی ہے۔

اس فہرست میں فقیر مہاجرین، مفلس انصار اور بعد میں آنے والے مستحقین کے نام گنوائے گئے ہیں۔

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں: یہ آیات تلاوت کرنے کے بعد جنابِ فاروقؓ نے صحابہ سے کہا تھا کہ اگر ہم نے مفتوحہ زمینیں حاضر مُسلمانوں میں بانٹ دیں۔ تو پھر "والذین جاءو من بعدھم" یعنی وہ لوگ جو بعد میں آئے ان کو کیا دیا جائے گا۔

جنابِ قاضی صاحب کی رُو سے جنابِ فاروقؓ نے ان آیات سے جو مفہوم اخذ کیا تھا وہ یہ تھا کہ ساری کی ساری مفتوحہ زمینیں پُوری مسلمان ملّت پر وقف ہیں اور ان کی تقسیم جائز نہیں ہے۔

اسی وجہ سے انھوں نے مصر، افریقہ، شام اور ایران کے گورنروں کو مستقل حکم دیا تھا کہ کوئی زمین کہیں بھی مسلمانوں میں تقسیم نہ کی جائے اور نہ اس کی انفرادی خرید و فروخت ہی عمل میں آئے۔

Marfat.com

جنابِ فاروقؓ کا خیال تھا کہ :

" کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً م بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ط"

" کہ دولت تم چند لوگوں کے ہاتھوں میں بند ہو کر نہ رہ جائے۔"

اس وقف علی الامتہ کی بنیاد ہے اور پروردگار نہیں چاہتا کہ اسلامی معاشرہ میں، دولت گردش کرنے سے رُک جائے۔ چند لوگ تو بہت مالدار ہو جائیں اور باقی مفلس و محتاج بن جائیں۔

جنابِ فاروقؓ کا یہ خیال، تنہا اُن کا خیال نہ تھا۔

قاضی ابو یوسفؒ ہی کی روایت ہے کہ :

جنابِ فاروقؓ نے صحابہ کے نمائندہ اجتماع کے سامنے جب قرآن حکیم کی یہ آیات تلاوت کیں اور نتیجہ بر آمد کیا کہ ساری مفتوحہ متروکہ زمینیں پوری قوم کی ملکیّت ہیں تو سارے صحابہ نے ان کے مسلک سے اتفاق کر لیا تھا اور پوری ملّت اس رائے پر مجتمع ہو گئی تھی کہ متروکہ زمینیں پوری قوم کی ملکیّت ہیں۔ انھیں نہ تو بانٹا جا سکتا ہے اور نہ خریدا اور بیچا جا سکتا ہے۔ [1]

خیال رہے کہ اُن دنوں عوامی معاش کا انحصار کلیتہً زراعت پر تھا۔ تجارت کے ذریعہ روزی کمانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یقیناً سرکاری ملازمین اور سپاہیوں کی ایک خاصی بڑی جماعت سامنے آ گئی تھی۔ اس کے باوجود زراعت، نوّے فی صد آبادی کا ذریعۂ معاش تھی۔

---

[1] : کتاب الخراج۔ ص ۶۴، ۶۵

یہی بیان الخطیب کا بھی ہے۔ تاریخِ بغداد۔ ص ۱۱

Marfat.com

اور ۹۰ فی صد آبادی کے ذریعۂ معاش کو قومی ملکیّت قرار دینے کے معنی یہ ہتے کہ اسلام عمومی ذرائع پیداوار کو قومی ملکیّت بنانا چاہتا ہے اور افرادی استحصال و اجارہ داری سے اسلامی معاشرہ کو پاک کرنے کا آرزومند ہے، ورنہ وہ چند ہاتھوں میں دولت کے بند ہوجانے کو مذموم نہ ٹھہراتا اور اس کے امکانات ختم کرنے کا لائحۂ عمل تجویز نہ کرتا۔

Marfat.com

اطاعتِ رسولؐ

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ج وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ؁

جو حکم تمہیں رسول دے اسے تسلیم کر لو اور جن باتوں سے روکے ان سے باز آجاؤ اور اللہ سے ڈرو وہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔

پارہ نمبر ۲۸ رکوع نمبر ۴ آیت نمبر ۷ کا ٹکڑا

آیت کا یہ ٹکڑا گزشتہ آیت ہی کا پچھلا حصّہ ہے۔ اس کی شانِ نزول جیسا کہ بیان ہو چکی یہ ہے کہ ہجرت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر مسلمانوں میں مالِ غنیمت تقسیم کیا اور مہاجرین و انصار کے معاشی تفاوت کو دُور کرنے کے لیے آپؐ نے پورا مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ انصار میں سے صرف دو غریب آدمیوں کو حصّہ ملا یہ ہو سکتا تھا کہ طبعی اور فطری طور پر کچھ لوگ اس بات کو محسوس کرتے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس کا ازالہ کر دیا۔

شانِ نزول کا واقعہ تو بس اتنا ہی ہے لیکن یہ ارشادِ ربّانی صرف اس پر روشنی نہیں ڈالتا۔ اس میں دین کی ایک اہم اور بنیادی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔ فرمایا، دین نام ہی اس کا ہے کہ ہمارے رسول کی پیروی کی جائے۔ وہ جس بات کا حکم دیں اس کو تسلیم کیا جائے۔ جس بات سے روکیں اسے چھوڑ دیا جائے۔ معلوم ہُوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول و فعل ہمارے لیے قرآن کا درجہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود قرآن نے دین کے بنیادی احکام کی تشریح و توضیح نہیں کی اسے رسول اللہ کی سُنت پر اٹھا رکھا ہے۔ مثال

Marfat.com

کے طور پر اس نے یہ حکم تو دیا ہے کہ نماز قائم کرو مگر یہ نہیں بتایا کہ اس کے رکوع و سجود اور قیام و قعود کی کیا شکل ہوگی۔ اس نے یہ تو کہا کہ زکوٰۃ دو مگر یہ نہیں بتایا کہ اس کی شرح کیا ہے۔ اس نے یہ تو ہدایت کردی کہ حج کرو مگر یہ نہیں بتایا کہ فرض کے طور پر کم سے کم کتنی مرتبہ۔ اس نے یہ تو تاکید کی کہ روزے رکھو مگر یہ وضاحت نہیں کی کہ کتنے۔ یہ ساری باتیں ہمیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوتی ہیں اور ان کا درجہ بعینہ وہی ہے جو خود قرآن حکیم کا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مصحف کی صورت ہی میں نازل نہیں کیا۔ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روپ میں ایک اور قرآن بھی مبعوث فرمایا ہے۔ شاعر نے ٹھیک کہا ہے ؎

شکلِ انسانی میں قرآنِ مجسّم آپ ہیں
شرحِ فرمانِ خدا ہے ہر ادائے مصطفےٰ

Marfat.com

تسخیرِ کائنات

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ
وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَ سَخَّرَ لَكُمْ
مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ
ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔ اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمھارے لیے مسخر کر دیا۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔"

سورہ ۴۵ آیت نمبر ۱۲، ۱۳

قرآن بنیادی طور پر سائنس اور طبیعات کی کتاب نہیں۔ یہ کتاب ہدایت ہے۔ اس لیے مختلف ایجادات و انکشافات کے لیے اس میں صراحت کے ساتھ پیشگوئیاں ڈھونڈنا کارِ عبث ہے لیکن چونکہ یہ قیامت تک کے لیے ہے اس لیے یہ روحِ عصر کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ انسانی ترقیات میں رکاوٹ نہیں، ان پر انسان کو آمادہ و تیار کرتی ہے اور اس میں ایسے اشارات پائے جاتے ہیں جو حیرت انگیز طور پر قیامت تک آنے والے تمام معاملات پر حاوی ہیں۔ ان اشارات کے ذریعے سے اس نے چودہ سو سال پہلے وہ امکانات واضح کر دیے ہیں جن کے تحت قیامت تک کی سائنسی ترقی واقع ہونے والی ہے۔

سب سے پہلے تو اس نے انسان کو کائنات میں اپنا خلیفہ یعنی نائب ٹھہرایا۔ وَعَلَّمَ

Marfat.com

آدَمَ الْاَسْمَاءَ- اور اسے علم کے معاملے میں فرشتوں پر بھی برتری عطا فرمائی۔ یہ واضح کیا کہ دنیا کی تخلیق انسان کے لیے ہوئی ہے اور انسان کی تخلیق دنیا کے لیے نہیں ہوئی۔

سواریوں کے بارے میں فرمایا کہ اس نے انسان کے لیے وہ تمام سواریاں پیدا کی ہیں جو کام آتی ہیں اور ابھی وَیخلق مالا تعلمون وہ ایسی سواریاں بنائے گا جنھیں تم نہیں جانتے۔ یہ کہہ کر قیامت تک ایجاد ہونے والی تمام سواریوں کا احاطہ فرما دیا گیا۔

اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بتایا ہے کہ ہوا ان کے تابع تھی اور بڑے بڑے باکمال ان کے دربار میں موجود تھے یہاں تک کہ جب حضرت سلیمان نے سینکڑوں میل کی مسافت سے ملکۂ سبا کا تخت منگانے کی خواہش ظاہر کی تو ان کا ایک درباری پلک جھپکنے کی مدّت میں لے آیا۔

اس آیت پاک میں بھی جو اُوپر مذکور ہوئی ہے قیامت تک کی ایجادات کے لیے ایک اصولی ہدایت ارشاد فرما دی گئی ہے۔ فرمایا، ہم نے کائنات کی ہر چیز کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ خلائی دنیا بھی ظاہر ہے آسمانوں اور زمین کے درمیان کی دنیا ہے اسے بھی اس آیتِ پاک کے مطابق انسان کے زیرِ نگیں کر دیا گیا ہے۔ خشکی اور تری سے لے کر فضا اور خلا تک مشیّتِ ایزدی کے مطابق عظمتِ انسانی کا پرچم لہرا کر رہے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس میں ہم قرآن کی امانت رکھنے والے مسلمانوں کا کیا حصّہ ہے۔

Marfat.com

قرآن اور پاکستان

وَاذْكُرُوْا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ
فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ أَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ
فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

پارہ نمبر ۹ رکوع نمبر ۱۷ آیت نمبر ۲۶

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَّبْسُطُوْا إِلَيْكُمْ
أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ع

پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۱۱

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ

لِنَنظُرَ كَيفَ تَعمَلُونَ ○

پارہ نمبر ۱۱ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۴

◎

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلاً طَيِّباً وَّاشكُرُوا نِعمَتَ اللّٰهِ اِن كُنتُم اِيَّاهُ تَعبُدُونَ ○

پارہ نمبر ۱۴ رکوع نمبر ۱۲ آیت نمبر ۱۱۴

ان آیات مبارکہ کا وطنِ عزیز پاکستان اور ہماری زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ گو ان آیات کی شانِ نزول اور ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان میں ہماری ہی داستان بیان کی گئی ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا :

"اس حالت کو یاد کرو جب تم تعداد میں قلیل تھے۔ سرزمین میں کمزور شمار کیے جاتے تھے۔ اس اندیشے میں رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اُچک نہ لے جائیں۔ سو ایسی حالت میں اللہ تعالےٰ نے تمھیں رہنے کی جگہ دی۔ اپنی نُصرت سے تمھاری مدد فرمائی اور تمھیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا تاکہ تم شُکر ادا کرو۔"

اس آیت کا مفہوم ہمیں ماضی کی طرف لے جاتا ہے جب ہم غلام تھے، ایک اکثریت کے مقابلے میں اَقلیّت شمار ہوتے تھے۔ طاقت کے اعتبار سے کمزور تھے، لیکن اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ہمیں ایک نیا وطن پاکستان نصیب ہُوا۔

Marfat.com

دوسری آیت میں ارشاد ہوا :

"اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جب کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کرے، سو اللہ تعالیٰ نے اس کا قابو تم پر نہ چلنے دیا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اہلِ ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیے۔"

یہ آیت پڑھ کر ستمبر ۶۵ء کی جنگ یاد آتی ہے۔ جب باطل نے حق سے ٹکر لی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرمِ خاص ہے کہ اس معرکے میں اس نے ہمیں فتح بخشی۔

تیسری آیت میں فرمایا :

"پھر ان کے بعد ہم نے زمین میں بجائے ان کے تمھیں اقتدار و اختیار عطا کیا تاکہ ہم یہ دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔"

معلوم ہوا آزادی جہاں ایک بہت بڑی نعمت ہے وہاں ایک عظیم آزمائش بھی ہے۔ ابھی ہمیں اپنا انفرادی اور اجتماعی کردار بلند کرکے اپنے آپ کو اس نعمت کا سزاوار بھی ثابت کرنا ہے۔

چوتھی آیت میں فرمایا :

"پس جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاکیزہ عطا کی ہیں انھیں کھاؤ۔ اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کے عبادت گزار ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے آزادی کے بعد ہمیں جو سرزمین عطا فرمائی ہے، وہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ ان نعمتوں پر ہمیں اس کا سپاس گزار ہونا چاہیے اور اس سپاس گزاری کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان نعمتوں کو صحیح مصرف

Marfat.com

میں لانے کی کوشش کریں۔

واقعی ہم اہلِ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بے حساب انعامات سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو خدا و خلق کے سامنے ایک احسان شناس قوم بنا کر پیش کریں۔

Marfat.com

ایمان افروز کتابیں

کوثر نیازی کے قلم سے

مولینا کوثر نیازی کے اُن قلبی احساسات

کی ترجمان ہے جو ... کے دل میں اسلام کی

... سے پرورش پا رہے ہیں

وہ طالب علم ...

... کلام نہیں کہ مولینا کا قلم ... کی روشنائی میں ڈوب کر

... مضمون میں بات ... کی ہے جس کی ...

سائز 23 صفحات 362 قیمت 6.50

مولینا کوثر نیازی نے ... کلام اللہ کی ... آیات

... انتخاب ... ہماری ... زندگی ... راہ ...

... اسلوب ... ہے اور ان آیات کی ...

... مفسرین نے اجر ...

سائز 18x8 صفحات 250 قیمت 9.50

مولینا کوثر نیازی اسلام کے سچے اور مخلص مبلغ ہیں۔ یہ کتاب

... اسلام ... کا حق ... طرح ادا ...

سائز 18x8 صفحات 150 قیمت 4.50

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

Marfat.com

وہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابھی ان کی عمر ۳۸ سال ہے مگر اڑتیس سال کی اس عمر میں انھوں نے صدیوں پر محیط طویل مسافتیں بھی طے کر لی ہیں اور ایک لمبی جدّوجہد کے ماحصل کو بھی سینے سے لگا لیا ہے۔

وہ ابھی نو عمر طالب [illegible] کہ انھیں [illegible] کی [illegible] ترین الجھنوں اور کٹھنائیوں سے نبرد آزما ہونا پڑا [illegible] اور [illegible] سے لڑنا تھا۔ وہ اپنے راستے کی [illegible] انھوں نے اندھیروں کو [illegible] والی روشنی کے تصوّر سے ہمیشہ [illegible] آباد کیا تھا۔

ان کا یہ ثبات اور اپنے [illegible] بھروسہ ہمیشہ ان کے کام آیا [illegible] کے طفیل [illegible] کے عہد میں اپنے ساتھی طالب علموں کے رہنما بھی بنے اور جب تعلیم سے [illegible] کے [illegible] زندگی اور عوامی جدّوجہد میں شامل ہوئے تو یہاں بھی انھیں میر کارواں [illegible] کے [illegible] آگے بڑھنے کا شرف نصیب ہوا۔

وہ [illegible] کو اُٹھتے ہیں اور ہر لحظہ انھیں یہ بات یاد رہتی ہے آج جبکہ وہ عوامی حکومت کے ایک ذمّہ دار اور پُروقار وزیر ہیں، انھیں وہ دن بالکل نہیں بھولے [illegible] کلمۂ حق [illegible] بلند رکھنے کے لیے ایک نواب زادے نے ان کے ہاتھوں [illegible] اور پاؤں میں بیڑیاں پہنائی تھیں۔

[illegible] کے عوامی انتخابات میں جبکہ سیالکوٹ کے ستانوے ہزار لوگوں نے انھیں [illegible] کے لیے اپنا نمائندہ چنا تھا، تو انھیں ۵۱-۵۲ء کی وہ ساری تنہائیاں [illegible] یاد [illegible] کے بھرے بازاروں اور گنجان محلّوں نے ان کی جھولی [illegible] ڈالی [illegible] جبکہ وہ نئے نئے اس شہر میں آئے تھے۔

ان کا ماضی انھیں ہمیشہ [illegible] لگتا ہے اور وہ اپنا چہرہ اس میں دیکھ کر بالکل [illegible] جاتے ہیں۔

وہ [illegible] کے پہلے اخبار نویس [illegible] انھوں نے "شہاب" کے ذریعے پنجاب کے [illegible] اخبارات کی تاریخ میں [illegible] ریکارڈ قائم کیے تھے اسے آج تک کوئی توڑ نہیں سکا۔

وہ پنجاب کے وہ شعلہ بیان [illegible] ہیں جن کی زبان بھی شعلے اگلتی رہی ہے اور قلم بھی روشنیاں بکھیرتا رہا ہے۔ [illegible] کی بات [illegible] کہ اُن کی زبان و قلم سے نکلتے شعلے [illegible] کے لیے تو خوشبو کا [illegible] رکھتے تھے [illegible] استحصالی نظام کے لیے ان کی تپش جلتے انگاروں سے کسی [illegible] تھی۔

وہ پہلے بھی مجاہد تھے اور آج بھی مجاہد ہیں جہاد ہی اُن کی زندگی کا نقطۂ سفر تھا اور جہاد ہی ان کا منتہا اور منزلِ مقصود ہے۔

ہمدرد مکتبۂ پاکستان [illegible]

Marfat.com

بصیرت

کوثر نیازی

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور ○ راولپنڈی ○ پشاور ○ کراچی

Marfat.com